کلام مصلح



مصلح الدین راجیکی

جامِ طہور



بر کسے چوں مہربانی می کند

از زمینی آسمانی می کند

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی رسولہ الکریم

کاسۂ دعوات

اے خدا قلبِ پریشاں کو نوید عید دے
رہروِ راہِ محبت کو متاعِ دید دے

میرے شوقِ آگہی کو مطلعِ انوار کر
میری ہستی کو محیط گوہرِ اسرار کر

دوزخِ ہجراں بدل دے جنتِ دیدار میں
دانۂ تسبیح پرو دے رشتۂ زُنّار میں

انتہائے جستجو دے انتہائے راز دے
تا ابد جو اُڑ سکے وہ شہپر پرواز دے

مصطفیٰؐ کا عشق دے میرے دلِ صد چاک کو
احمدیت کا جنوں دے بستۂ فتراک کو

جگمگا دے میری دنیا جلوۂ فاران سے
لہلہا دے میرا گلشن کوثر رضوان سے

میرے ساغر کو ایاغِ بادۂ ایمان کر
میری مشعل کو چراغِ جادۂ عرفان کر

میرے نالوں کو ورائے کارواں کا سوز دے
میری آہوں کو فروغِ انجمن افروز دے

کاسۂ دعوات بھر دے دولت دیدار سے
اے خدا مجھ کو بنا لے زمرۂ ابرار سے

(آمین)



مقامِ شفیع الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مقامِ شفیع الوریٰ اللہ اللہ	خدا خود ہے محوِ ثنا اللہ اللہ
جسے بےکس و بےنوا سب نے سمجھا	وہ نکلا شہِ دوسَرا اللہ اللہ
ہوا ہے نہ ہوگا زمانے میں پیدا	مشیت کا یہ مدعا اللہ اللہ
خدا وندِ عالم ہے مشتاق جس کا	محمدؐ ہے وہ دلربا اللہ اللہ
یہ وہ سحر تھا جس نے برقِ تپاں کو	دیا ذوقِ آبِ بقا اللہ اللہ
ہزاروں ہوئے باخدا پھر بھی سب میں	محمدؐ ہی ہے مصطفیٰ اللہ اللہ
ہوا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ سے ظاہر	عروجِ حبیبِؐ خدا اللہ اللہ
بنامِ محمدؐ ہی آخر ہوئی ہے	غمِ لادوا کی دوا اللہ اللہ
ترے دم قدم سے معطر ہے اب تک	حریمِ جہاں کی فضا اللہ اللہ

یہی سرفرازی ہے اس خشک و تر میں
کہ مصلح ہے تیرا گدا اللہ اللہ



تمنائے ملت

اٹھو کُھل گئے آسماں کے دریچے
سنو آگیا وہ مسیحائے ثانی
وہ طُور و حرا کی اداؤں کا محرم
وہ عہدِ محبت کی زندہ نشانی
وہ عرفانِ یزداں میں ظلِّ محمدؐ
وہ ایمانِ ایزد میں یُس ثانی
وہ بُرجِ طریقت کا ماہِ منور
وہ دُرجِ حقیقت کا لعلِ یمانی
وہ چرخِ نبوت کا مہر درخشاں
وہ فرقِ ولایت کا تاجِ کیانی
وہ اقوام عالم کا موعود رہبر
وہ اقلیم تقویٰ کا صاحبقرانی
وہ محبوبِ یزداں تمنائے ملت
وہ شاہِ جہاں احمدؑ قادیانی



کون کون!

دیکھیں سرِ نیاز جھکاتا ہے کون کون
معبودِ کائنات کو پاتا ہے کون کون

افسردگی شوق کے آتش کدے میں پھر
یادِ خدا کی آگ جلاتا ہے کون کون

فاراں سے لے کے جلوۂ یزداں کی روشنی
تیرہ دلوں کو طُور بناتا ہے کون کون

انفاسِ عیسوی کی بہاروں سے چار سو
حسن ازل کے پھول کھلاتا ہے کون کون

محبوبِ ایزدی کے اشاروں کے سامنے
مثلِ ذبیح سر کو جھکاتا ہے کون کون

اَبنائے روزگار کو دے کر پیامِ نو
پھر سے حرِیمِ ناز میں لاتا ہے کون کون

مصلح خدائے آدمِ ثانی کے سامنے
دیکھیں سرِ نیاز جھکاتا ہے کون کون



دنیائے فانی

نہ آنسو نہ آہیں نہ سوزِ نہانی — تری زندگی بھی ہے کیا زندگانی
بدل جائیں اب بھی جو اُطوار تیرے — یہی لَنْ تَرَانِی ہے سَوْفَ تَرَانِیْ
سلیقہ نہیں تجھ کو رونے کا ورنہ — بڑے کام کا ہے یہ آنکھوں کا پانی
بھروسہ نہ کر عالمِ رنگ و بو پر — ڈھلکتی سی چھاؤں ہے دنیائے فانی
یہ صبح بنارس ہے شامِ غریباں — یہ شامِ اَوَدھ ہے فقط اک کہانی
کہاں ہے وہ متھرا کا مہر درخشاں — کہاں ہیں وہ مُرلی کی تانیں سہانی
کہاں ہیں وہ راجہ[1] بھڑائچ کے چرچے — کہاں ہے وہ جیتو[2] کی اب راجدھانی
کہاں ہیں وہ اجداد و اسلاف تیرے — کہاں ہیں وہ عہدِ گزشتہ کے بانی
نہ کر ناز عمرِ دو روزہ پہ ناداں — بڑی بے بھروسہ ہے یہ زندگانی

اٹھا دل کو اس گلشن ماسوا سے
لگا اس خدا سے جو لو ہے لگانی

۱،۲ :بعض اجداد کے نام



احمدی سے

احمدی اٹھ! ہے لبِ دنیا پہ جاں تیرے بغیر
قالبِ گیتی ہے بے تاب و تواں تیرے بغیر

چار سو پھرتے نظر آتے ہیں یزداں ناشناس
اہرمن آباد ہے سارا جہاں تیرے بغیر

خندہ زن ہے ظلمتِ عصیاں خورِ تقدیس پر
نوحہ زن ہے عظمتِ کرّ و بیاں تیرے بغیر

رو رہا ہے سر بزانو ہو کے ویرانوں میں دیں
سو رہی ہے قسمتِ اسلامیاں تیرے بغیر

پھیکی پھیکی سی ہے شمعِ سرمدی کی روشنی
سونی سونی سی ہے بزمِ لامکاں تیرے بغیر

منتظر ہیں مہر عالم تاب کی رنگینیاں
مضطرب ہے آسمانِ ضوفشاں تیرے بغیر



عزائم

شوق کی مشعل ہاتھ میں لے کر محفل محفل دیکھیں گے
جادہ جادہ رقص کریں گے محمل محمل دیکھیں گے

لاکھ چھپائیں پردوں میں وہ رعنائی کے رازوں کو
عارض عارض کھوجیں گے ہم کاکل کاکل دیکھیں گے

کوئی بیٹھے یا نہ بیٹھے کشتی اپنی رو میں ہے
دریاؤں کو چیریں گے ہم ساحل ساحل دیکھیں گے

آہوں میں پرواز کریں گے گردوں کی پہناؤں تک
الفت کے میداں میں ہر اک مشکل مشکل دیکھیں گے

جل مرنے کی ٹھان کے ہم بھی طوف کریں گے شعلوں کا
پروانوں کے بھیس میں آ کر مشعل مشعل دیکھیں گے

چُھپنے والے آخر تجھ کو پا کے رہیں گے دنیا میں
صحرا صحرا چھانیں گے ہم منزل منزل دیکھیں گے



جمالِ سرمدی

ملالِ زندگی پر ہے مدارِ زندگی اب بھی
کوئی سمجھے تو ظاہر ہے ہماری بے بسی اب بھی

وہ صحرا جس میں کھویا تھا کبھی نقش قدم تیرا
اسی صحرا میں جویاں ہے جنونِ عاشقی اب بھی

ترے حسن ازل نے گرچہ لاکھوں آستاں بدلے
مگر جیسا تھا ویسا ہے خلوصِ بندگی اب بھی

نگاہِ مَـا عَـرَفْنَـا سے جو دیکھا تو یہی دیکھا
تری جلوہ گری میں ہے ادائے بے رخی اب بھی

کلیم و طُور کا قصہ نہیں ہے قصہ ماضی
کوئی ڈھونڈے تو ملتا ہے سراغِ ایزدی اب بھی

ترے نفس گنہ پرور نے ویراں کردیا جس کو
اسی ایوانِ دل میں ہے متاعِ زندگی اب بھی

بتوں کو دیکھنے والے خدا تجھ کو نظر بخشے
خلیل اللہ سے خالی نہیں ہے آذری اب بھی

تجھے آتی نہیں منصور کی بادہ کشی ورنہ
بہت کچھ کہلواتی ہے شرابِ بے خودی اب بھی

اگر آنکھوں میں ہو اندازِ مَـا زَاغَ الْبَـصَـرَ پیدا
کھلے منہ جگمگاتا ہے جمالِ سرمدی اب بھی



حقیقت

بہارِ ہستی میں ہم تو جیسے کھلا کیے ہیں کھلا کریں گے
جو مٹنے والے ہیں اس چمن میں مٹا کیے ہیں مٹا کریں گے

وہ اور ہوں گے جو سیل دریا میں ڈوب مرنے کی ٹھان بیٹھے
ہم ایسی موجوں کی کشمکش میں بڑھا کیے ہیں بڑھا کریں گے

ہزار شعلے کرے فراہم یہ دہر برق و شرار بن کر
ہمارے اشکوں سے جو بھی الجھے بجھا کیے ہیں بجھا کریں گے

ہمیں زمانے میں کیا ڈرائیں گی خارزاروں کی تیز نوکیں
ہم ایسی راہوں پہ مسکرا کر چلا کیے ہیں چلا کریں گے

عدو جو چاہے تو آزما لے یہ دل پڑا ہے یہ جاں پڑی ہے
کہ ہم فنا کا شکار ہو کر جیا کیے ہیں جیا کریں گے

ازل سے اہل جنوں کی باتیں اگرچہ مصلح ہیں بارِ محفل
مگر جو دل میں کھٹک رہی ہے کہا کیے ہیں کہا کریں گے



کیفِ مَامضٰی

محفل ہستی میں پھر جوشِ لقا پیدا ہوا
پھر دلِ مضطر میں کَیفِ مَامَضٰی پیدا ہوا

پھر اَلَسْتُ ناز کے نغموں سے جاگی کائنات
پھر حریم شوق میں شورِ بَــلٰـــی پیدا ہوا

پھر کوئی منزلگہِ مقصود سے آئی صدا
پھر کسی بھٹکے ہوئے کا آسرا پیدا ہوا

پھر سرشکِ لالہ گوں سے معذرت کی حسن نے
پھر نگاہِ بے رخی میں اعتنا پیدا ہوا

پھر محبت کے جنوں خانے سے اٹھے ولولے
پھر دلِ وحشی میں جوشِ التجا پیدا ہوا

پھر کسی کے حسن محشر خیز سے اٹھی نقاب
پھر حریمِ جاں میں شورِ مرحبا پیدا ہوا



جامِ نوشیں

نیا آسمان ہے نئی اب زمیں ہے
یہ دنیا وہ پہلی سی دنیا نہیں ہے

دمشقِ ضلالت کی تاریکیوں میں
منارۂ مہدی ضیا گستریں ہے

زہے طالعِ بزمِ ابنائے فارس
جہاں ربّ کون و مکاں جاگزیں ہے

خوشا خاتمِ حلقہ احمدیت
جڑا جس میں فضل عمر سا نگیں ہے

باسمِ تبارک وہ ہے جامِ نوشیں
بربِّ جہاں وہ خمِ انگبیں ہے

وہ تقویمِ احسن ہے کون و مکاں میں
وہ طٰہٰ لقا ہے مسیحا جبیں ہے

مبارک ہو مرغِ نوا سنجِ صحرا
وہ طوبائے فردوسِ عرشِ بریں ہے

غلامانِ محمود کے دم قدم سے
بیابانِ ملت بہار آفریں ہے

نگاہ نوازش ادھر بھی ہو آقا
دعاؤں کا طالب یہ گوشہ نشیں ہے



مجلس عرفان

بہبودِ ہست و بود کا ساماں لئے ہوئے
سارے جہاں کے درد کا درماں لئے ہوئے

عشقِ جگر گداز کی بیتابیوں کے ساتھ
حسن کرشمہ ساز کا طوفاں لئے ہوئے

زھد و ورع کے ہاتھ سے تھامے ہوئے عناں
رخشِ جہاں کو جانبِ ایمان لئے ہوئے

سوز و گدازِ عشق کی زریں کتاب میں
بابِ وصالِ حضرتِ سبحاں لئے ہوئے

توراتِ دلفریبی تقویٰ کے ماسوا
انجیل دلنوازی رضواں لئے ہوئے

کشتِ نخیل مہدیٔ دوراں کے واسطے
اَبرِ مطیرِ رحمتِ یزداں لئے ہوئے

بزمِ جہاں میں ملت احمد کا تاجدار
جلوہ نما ہے دولتِ قرآن لئے ہوئے

مصلحؔ درِ وصال ہے مدت سے وا ہوا
اٹھ تُو بھی چل متاعِ دل و جاں لئے ہوئے



قادیان کا خطاب لاہور سے

بتا بزمِ جانانہ۔ تُو ہے کہ میں ہوں
محبت کا خمخانہ تو ہے کہ میں ہوں

پراگندہ دل تُو، مَیں تمکینِ وحدت
خلافت سے بیگانہ تو ہے کہ میں ہوں

فروزاں میں دیں سے تو دیں سے گریزاں
خورشتانِ فارانہ تو ہے کہ میں ہوں

لبالب میں ہر دم، تہی تیرا ساغر
بتا ننگِ میخانہ تو ہے کہ میں ہوں

تو کاخِ منافق، مَیں مومن کا مأمن
سرائے دو عنوانہ تو ہے کہ میں ہوں

مکیں مجھ میں یوسف، زلیخائی تجھ میں
چمن زارِ کنعانہ تو ہے کہ میں ہوں

میں مشکوئے مہدی تو اعدا کا مسکن

حریم حجازانہ تو ہے کہ میں ہوں

خدا لگتی لاہور کہنا خدارا

محمدؐ کا دیوانہ تو ہے کہ میں ہوں



ناصح کے نام

محبت کی دھونی رماؤ تو جانیں — وفا کے الاؤ جلاؤ تو جانیں
بڑے پارسا ہو بڑے پاک باطن — کوئی اک کرشمہ دکھاؤ تو جانیں
زباں سے تو کہہ دو گے تم بھی انا الحق — سرِ دار چڑھ کر بتاؤ تو جانیں
خفی و جلی کے نظارے تو دیکھے — فنا و بقا کی سناؤ تو جانیں
بہ ایں آہ و زاری بہ ایں سجدہ ریزی — خدا سے خدا کو لبھاؤ تو جانیں
بناوٹ کا رونا تو روتی ہے دنیا — جو سچ مچ کے آنسو بہاؤ تو جانیں
وہیں سے سناتے ہو حرمت کی باتیں — ذرا میکدے میں در آؤ تو جانیں
وہ صدمے جو دل نے اٹھائے ہیں برسوں — کبھی اپنے دل پر اٹھاؤ تو جانیں

یونہی طعن کرنے سے کیا ہوگا مصلحؔ
کسی کے بنو اور نبھاؤ تو جانیں



شرابِ ارغوانی

شاعروں کی نکتہ دانی اور ہے
بے دلوں کی نوحہ خوانی اور ہے

برق و باراں میں کہاں یہ آب و تاب
اَشک و آہ میں آگ پانی اور ہے

مسکرانے سے کہاں چلتے ہیں کام
بندہ پرور! مہربانی اور ہے!

خواہشِ طوبیٰ نہ شوقِ سلسبیل
تیرے دیوانوں کی ٹھانی اور ہے

اک جھلکؔ سے اڑ گئے موسیٰؑ کے ہوش
یہ ثبوت لَنْ تَرَانِیْ اور ہے

بے سبب الجھا کئے دیر و حرم
وہ حبیبِ لامکانی اور ہے

پی بھی لے اے مصلح خانہ خراب
یہ شرابِ ارغوانی اور ہے!



بے ثباتیٔ دنیا

گلشن کی بہاریں جھوٹی ہیں پھولوں کے نظارے جھوٹے ہیں
بلبل کی صدائیں دو دن ہیں آہوں کے شرارے جھوٹے ہیں

دنیا میں جو میلے لگتے ہیں اک روز اُجڑ کر رہتے ہیں
خوشیوں کا بھروسہ کیونکر ہو خوشیوں کے سہارے جھوٹے ہیں

دریا کے سوا بھی اٹھتے ہیں طوفان ہزاروں دنیا میں
تُو جن کو کنارے سمجھا ہے ناداں وہ کنارے جھوٹے ہیں

دم بھر کا اجالا دیکھ کر تو انجام سے غافل ہو بیٹھا
اتنا بھی نہ سوچا گردوں میں قسمت کے ستارے جھوٹے ہیں

دنیا نے بنائی کس سے ہے جو تم سے بنا کر رکھے گی!
یہ آس تمہاری جھوٹی ہے یہ سانس تمہارے جھوٹے ہیں

یہ جامِ جوانی آج نہیں تو کل کو چھلکنے والا ہے
اس مہماں کے بل بوتے پر مصلحؔ یہ طرارے جھوٹے ہیں



اشکِ ندامت

اے صبح گلستاں رہنے دے، اے شامِ گلستاں رہنے دے
یہ پھول مجھے درکار نہیں اے فصلِ بہاراں رہنے دے

وہ نور کہ جس کی کرنوں سے الفت کی فضائیں روشن تھیں
وہ نور نہیں ان کرنوں میں اے مہرِ درخشاں رہنے دے

ماضی کے سہانے وقتوں کا جب لوٹ کے آنا مشکل ہے
پھر کیا حاصل اس گردش سے، اے گردشِ دوراں رہنے دے

جلنا ہی مرا مقسوم سہی مٹنا ہی مرا انجام سہی
کچھ دیر تو اپنی محفل میں اے جلوۂ جاناں رہنے دے

شاید کہ اسی سے محشر میں مصلحؔ کا مداوا ہوجائے
اک اشکِ ندامت پلکوں میں اے دیدۂ گریاں رہنے دے



خورشیدِ لقا

کون جانے کہ غم دل کی دوا ہے کہ نہیں
میری آہوں میں کوئی آہِ رسا ہے کہ نہیں

جس کے اک قطرے سے جی اٹھتے ہیں مرنے والے
ساغرِ شوق میں وہ آبِ بقا ہے کہ نہیں

ماندۂ راہ کو لے آئے جو منزل کی طرف
میرے مقسوم میں وہ بانگِ درا ہے کہ نہیں

عرش بھی جس کی حرارت سے پگھل جاتا ہے
آتش عشق میں وہ سوزِ دعا ہے کہ نہیں

جس سے وابستہ ہے معمورۂ الفت کی سحر
میری قسمت میں وہ خورشیدِ لقا ہے کہ نہیں

مغفرت جس کے لئے دیدہ براہ ہو مصلحؔ
میرے عملوں میں کوئی ایسی خطا ہے کہ نہیں



فرقت کے جھمیلے

آہوں سے تقاضا کر بیٹھے نالوں سے تمنا کر بیٹھے
جب دیکھ نہ پایا جلووں کو، ہم عشق کو رسوا کر بیٹھے

چھپنا تھا اگر یوں پردوں میں اے حسنِ ازل کی رعنائی
کس بات پہ نَحنُ اَقرَبُ کا تم دہر میں چرچا کر بیٹھے

ایسے میں اگر تم آجاتے پھولوں کا بھرم تو کھل جاتا
معلوم نہیں کس برتے پر یہ حسن کا دعویٰ کر بیٹھے

لو دیکھ لو تم بھی دنیا میں فرقت کے جھمیلے کیسے ہیں
جینے کی تمنا چھوڑ کے ہم، مرنے کا تہیا کر بیٹھے

جس ڈال میں دیکھا بجلی ہے، جس پات میں دیکھا شعلے ہیں
معلوم نہیں کیوں گلشن میں ہم آ کے بسیرا کر بیٹھے



نوائے بے نوا

یہ ثبوتِ بے نیازی تجھے کیوں ہوا گوارا
کہ فلک سے توڑ پھینکا میری زندگی کا تارا
تیرے فیض کی بدولت ہوئے شادکام لاکھوں
کبھی اے بہارِ ہستی کوئی اس طرف اشارا
تجھے ناپسند ہے تو میری آرزو بدل دے
ابھی ہے اسی روش پر میرے آنسوؤں کا دھارا
نہ فلک سے کچھ شکایت نہ گلہ تیری جفا سے
مجھے خواہشوں نے لوٹا مجھے زندگی نے مارا
نہ ملا کوئی ٹھکانا میری بے قراریوں کو
کہیں رو کے رات کاٹی کہیں رو کے دن گزارا

بڑے دکھ بھرے ہیں جاناں میری زندگی کے لمحے

کبھی ہوسکے تو سننا میری داستاں خدا را

نہ بدل سکی اگرچہ تیری خوئے لَنْ ترانیٰ

میرے آنسوؤں نے پھر بھی تجھے بارہا پکارا

میری نیستی کا عالم تیرے کُــنْ کا منتظر ہے

میرے مہرباں دکھا دے فَیَــکُــوْن کا نظارا



دردِ عشق

میں سمجھوں گا مرا اوجِ مقدر آسماں تک ہے
اگر آہ و فغاں میری تمہارے آستاں تک ہے

کسی کی چشمِ میگوں کا مزہ ان کی بلا جانے
ہمارے میکشوں کی میکشی رطلِ گراں تک ہے

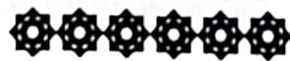
وہ کیا جانے حریمِ عرش کے جلووں کی تابانی
طوافِ آرزو جس کا بتوں کے آستاں تک ہے

کہیں طوفاں کہیں شورِ قیامت بن کے اٹھتا ہے
میں سمجھا تھا کہ دردِ عشق چشمِ خوں فشاں تک ہے

نہ سمجھو تم تو یہ کون و مکاں ہے اک معمہ سا
اگر سمجھو تو یہ رونق اسی جانِ جہاں تک ہے

میں ہمدم لفظِ آزادی کے یہ معنی سمجھتا ہوں
کہ بلبل ہی نہیں قیدِ قفس میں آشیاں تک ہے

شبِ فرقت کا رونا ہے میری قسمت میں اے مصلح
فغاں میری سحر تک ہے سحر میری فغاں تک ہے



روئے نیاز

دل مچل کر رہ گیا حسنِ گلستاں دیکھ کر
یاد آیا پھر کوئی جشنِ بہاراں دیکھ کر

منحصر ہے اک نظر پر جان و دل کا فیصلہ
کون کرتا ہے محبت عہد و پیماں دیکھ کر

جب کبھی آتا ہے دل میں ان کے آنے کا خیال
ڈبڈبا جاتی ہیں آنکھیں گھر کا ساماں دیکھ کر

دل میں کیا کیا ولولے تھے اشتیاقِ دید کے
جان لیتے کاش وہ نالوں کا عنواں دیکھ کر

یوں تو گلشن میں گل و لالہ کی صحبت ہے نصیب
دم نکل جاتا ہے لیکن برق و باراں دیکھ کر

جانے کس قبلے کی جانب پھر گیا روئے نیاز
خود چلا آتا ہے کعبہ جذبِ ایماں دیکھ کر

مصلحِ شیدا نے کس کو دیکھ پایا ہے یہاں
پھیر بیٹھا ہے جو نظریں بزمِ امکاں دیکھ کر



قادیان کی یاد

لوحِ وفا سے تجھ کو مٹایا نہیں ہنوز
اس دل میں کوئی اور بسایا نہیں ہنوز

سجدہ کناں ہے اب بھی ترے غم میں زندگی
ہم نے سرِ نیاز اٹھایا نہیں ہنوز

چلتی ہیں صبح و شام حوادث کی آندھیاں
لیکن چراغِ شوق بجھایا نہیں ہنوز

اب بھی شبِ فراق وہی ہے شبِ فراق
سویا ہوا نصیب جگایا نہیں ہنوز

آہوں سے کر رہے ہیں مداراتِ زندگی
یعنی رُبابِ عیش بجایا نہیں ہنوز

آنکھوں میں اب بھی ہے ترا نظارۂ جمال
اے قادیان تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز



بے پناہی

نہ دعویٰ شاہی کا مجھ کو نہ کجکلاہی کا
نہ مسجدی کا سلیقہ نہ خانقاہی کا

گلیمِ بختِ سیہ پوش ہوں زمانے میں
زباں زباں پہ ہے چرچا مری تباہی کا

نہ ہمسفر ہی کوئی ساتھ ہے نہ زادِ سفر
خدا ہی والی ہے راہِ عدم کے راہی کا

شبِ سیاہ سفینہ شکستہ بحرِ گناہ
کنارہ دور، یہ منظر ہے بے پناہی کا

اٹھا اٹھا مرے فضل عمر نگاہِ کرم
سہارا مصلح کو بس ہے تری دعا ہی کا



نہالِ عاشقی

چشمِ تر نے کچھ ہماری غمگساری کی تو ہے
دردِ دل نے کچھ دوائے بے قراری کی تو ہے

نافۂ امید سے آئی ہے بوئے خوشگوار
دشتِ فرقت میں کسی نے مشکباری کی تو ہے

گردشیں بھولی تو ہیں اپنا وہ اندازِ کہن
آسماں نے دل جلوں کی غمگساری کی تو ہے

زخمِ پنہاں منتِ محبوب سے ہے مندمل
سوزنِ قسمت نے دل کی بخیہ کاری کی تو ہے

دیدہ و دل ہیں سرورِ سرمدی سے فیضیاب
جلوۂ حسن ازل نے سحرکاری کی تو ہے

دیکھئے پھلتا ہے کیونکر اب نہالِ عاشقی
پھر کسی نے آرزو کی آبیاری کی تو ہے



چراغِ مزار

تجھے جو گلشن عہدِ بہار کہتے ہیں
ہمیں بھی لوگ ترا جانثار کہتے ہیں

یہ اور بات ہے ان کو نہ اعتبار آئے
جو بات کہتے ہیں ہم ایک بار کہتے ہیں

وہ پی چکا ہوں کہ اب تک سرور باقی ہے
میں کیا بتاؤں کہ کس کو خمار کہتے ہیں

ترے فراق میں سب سے بڑی مصیبت ہے
وہ مرحلہ کہ جسے انتظار کہتے ہیں

ہماری محفل حسرت کی جس سے رونق تھی
وہ بجھ گیا ہے چراغِ مزار کہتے ہیں

بساطِ ناز پہ سب کچھ نہیں جو کھو دیتا
ہم اہلِ شوق اسے بد قمار کہتے ہیں

شبِ فراق کی آہیں اسے مبارک ہوں
ہوا ہے مصلحؔ بھی سینہ فگار کہتے ہیں



تنکوں کا آشیاں

دلِ حزیں کے تقاضوں کو داستاں نہ سمجھ
شبِ فراق کے نالوں کو رائیگاں نہ سمجھ

بڑے فریب ہیں اس بیوفا کی باتوں میں
جو مہرباں ہے زمانہ تو مہرباں نہ سمجھ

نہالِ عمر میں اک بار پھول آتے ہیں
بہارِ عہد جوانی کو جاوداں نہ سمجھ

حدی تو لاکھوں ہی گاتے ہیں کاروانوں میں
ہر اک کو ناقۂ لیلیٰ کا سارباں نہ سمجھ

بھروسہ چھوڑ دے دو دن کی زندگانی کا
تو پائیدار یہ تنکوں کا آشیاں نہ سمجھ

اسی خودی کے جہنم سے ہے عزازیلی
حریمِ نفس کو سجدوں کا آستاں نہ سمجھ



یادِ رفتگان

کچھ ستارے آسماں پر جھلملا کر رہ گئے
کچھ زمیں پر جگمگائے جگمگا کر رہ گئے

منزلِ عقبیٰ بھی کیا منزل ہے جس کے شوق میں
جو بھی آئے اس جہاں میں جاں سے جا کر رہ گئے

جذبہ صبر و تحمل تھا کہ خوفِ معصیت
سینکڑوں شکوے زباں تک آئے آ کر رہ گئے

کس کی میت کو دبا کر چل دیئے ہیں اقربا
دیکھنے والے کلیجے کو دبا کر رہ گئے

دیدۂ حسرت سے مصلحؔ اس نشیمن کو نہ دیکھ
وہ چمن بھی ہیں یہاں جو مٹ مٹا کر رہ گئے



۱؎ (یہ عجیب بات ہے کہ اس دعا کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ بعمر ۷۴ سال ۲۶ رفروری ۱۹۵۹ء کو وفات پا گئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔)

حضرت مولانا عبدالرحیم دردؔ صاحب

شعلہ فشاں ہیں درد سے نغمے بہار کے
کیا کیا ستم ہیں گردشِ لیل و نہار کے

کیا تھک گئے تھے گردشِ دوراں سے اس قدر
تربت میں سو گئے ہو جو ہم کو بسار کے

اے دردؔ اہلِ درد سے تو منہ نہ یوں چھپا
اٹھ دیکھ اشک دیدۂ خوننابہ بار کے

مانا کہ بزمِ خلد ہے بیکل ترے لئے
پونچھے گا کون اشک کسی دلفگار کے

ایسے کہاں تھے دہر میں تم زاویہ پسند
آکر جو گھیر بیٹھے ہو گوشے مزار کے

آقا حضور کس کو بلائیں گے یہ تو سوچ
لاکھوں سہی غلام ترے تاجدار کے

وہ حال کر گئی ہے تری مرگِ ناگہاں
آنسو ٹپک رہے ہیں غمِ روزگار کے
ہو ''درد'' صبحِ خلد کی راحت تجھے نصیب
آئیں گے ہم بھی شامِ غریباں گزار کے



درد و داغ

ایسے بھی حوادث پیش ہمیں اے جانِ جہاں سو بار آئے
دریا کے کنارے ڈوب گئے اُس پار سے جب اِس پار آئے

اس باغِ جہاں کا حال ہمیں کچھ اس کے سوا معلوم نہیں
کانٹوں سے کسی نے گل توڑے پھولوں میں کسی کو خار آئے

اے جانِ مسیحا تو ہی بتا تسکین کی صورت کیا ہوگی
پھر ہوش نہ اپنے کھو بیٹھے جب ہوش میں یہ بیمار آئے

یہ بزمِ جنوں یہ دیدہ و دل مدت سے ہیں سُونے سُونے سے
اے کاش ہماری جانب بھی وہ جانِ جہاں اِک بار آئے

اے ساقی کوثر ان پر بھی اک نظرِ کرم جو دنیا میں
میخوار مَرے میخوار جیئے میخوار رہے میخوار آئے

مصلح کی نصیحت ٹھیک سہی لیکن یہ اسے معلوم نہیں
اس بزم حسیں میں دل ہی نہیں ہم جان بھی اپنی ہار آئے



عرضِ حال

نگاہِ نوازش ادھر بھی اٹھانا
جلانا یہ مردہ مسیحا جلانا

درِ میکدہ پر کھڑا ہے بھکاری
اسے بھی شرابِ محبت پلانا

میں قربان تیرے میں تجھ پر تصدّق
اٹھانا حجابِ دو عالم اٹھانا

لُٹا دی یونہی زندگانی لُٹا دی
نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ جانا

شبِ تار، بحر گنہ، دور ساحل
میں ڈوبا میں ڈوبا خدارا بچانا

ظَلَمْتُ ظَلَمْتُ وَكُنْتُ ظَلُوْمَا
اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَیَا مَنْ هَدَانَا

دہائی خداوندِ عالم دہائی
بچانا خداوندِ عالم بچانا



لَا تَقْنِطُوْا

زندگانی امتیازِ ما و تو یہ جہاں ہنگامہ ہائے اِلّا ھُوْ

تو سراپا لطف و احسان و کرم میں سراپا ذوق و شوق و آرزو

ہوگئیں اس کی دعائیں مستجاب چشمِ گریاں سے کیا جس نے وضو

چار سو جلوہ نما ہے دلستاں دل اگر سجدہ کناں ہے قبلہ رو

نفسِ دوں کا بت اگر ٹوٹا نہیں غزنویت ہے فریبِ ما و تو

درد مندوں کے یہی دو کام ہیں ایک گریہ ایک تیری جستجو

پا لیا سب کچھ نگاہِ ناز میں میکشوں نے توڑ کر جام و سبو

لا علاجِ معصیت کے واسطے

کارگر ہے نسخۂ لَاتَقْنَطُوْا



نورِ سحر

چل گزر راہِ فنا سے بے خطر ہونے کے بعد
معرکے ہوتے ہیں سر سینہ سپر ہونے کے بعد

کیا ہوا دریا میں موجیں گر قیامت خیز ہیں
پار لگتے ہیں سفینے شور و شر ہونے کے بعد

گریۂ پیہم سے ہوتی ہے رسائی وصل تک
رنگ لاتی ہے وفا آشفتہ سر ہونے کے بعد

جگمگا دے جلوۂ توحید سے دشت و جبل
سرنگوں بیٹھا ہے کیا شمس و قمر ہونے کے بعد

اٹھ گلستانِ جہاں میں زمزمہ پرداز ہو
خوابِ غفلت تا بکے نورِ سحر ہونے کے بعد

جوگ لینا یا اداسا کھینچنا آساں نہیں
آتا ہے دھونی رمانا در بدر ہونے کے بعد

خاک سے کمتر سہی لیکن اے مصلح کیا عجب
کیمیا بن جاؤں میں ان کی نذر ہونے کے بعد



زندگی

پختہ تر ہے دردِ پنہاں سے بنائے زندگی
لَا اِلٰـــــہَ اِلَّاھُـــو ہے منتہائے زندگی

کربلا کے خونِ ناحق سے ہوا یہ آشکار
موت بھی ہوتی ہے دنیا میں بجائے زندگی

کس کا نوحہ کس کا ماتم اے حقیقت ناشناس
زندگی ہی زندگی ہے ماورائے زندگی

خیر و شر کے سب مراحل ہیں اسی میں مستتر
گاہ خندہ گاہ گریہ ہے جزائے زندگی

مقتلِ عشق و وفا ہے چشمۂ آبِ بقا
ابتلائے زندگی ہے اصطفائے زندگی

جذبۂ صبر و تحمل چاہئے اے بے خبر
مشکلوں کے ساتھ ہے مشکل کشائے زندگی

یہ سماء، یہ مہر و ماہ و کہکشاں کیا چیز ہیں
عرش تک پہنچا ہے مصلحؔ مصطفائے زندگی



غمِ عشق

وہی درد ہے شاملِ زیست ابھی دمِ زیست جو ہم سے جدا نہ ہوا
رہے شام و سحر وہی شام و سحر کوئی کام بھی غم کے سوا نہ ہوا
یہ چمن یہ نہال یہ سبزہ و گل سبھی پھولتے پھلتے رہے ہیں سدا
مرا غنچۂ دل ہے وہ غنچۂ دل کہ شگفتہ اے بادِ صبا نہ ہوا
کروں شکوۂ ہجر تو کس سے کروں رہِ شوق میں جبکہ اے چارہ گرو
میں مٹا بھی تو خود کو مٹا نہ سکا وہ ہوا بھی تو جلوہ نما نہ ہوا
کبھی ذکرِ جناں کبھی فکرِ جہاں کبھی اِس کی لگن کبھی اُس کی لگن
رہا اپنے ہی کام سے کام مجھے کوئی فرض بھی اس کا ادا نہ ہوا
وہی روحِ ازل وہی جانِ جہاں میرے حال پہ رحم کرے تو کرے
کوئی کام زمانے میں ایسا نہیں کہ خطا سے جو میری خطا نہ ہوا
غمِ عشق کا رونا ہے رونا یہی کوئی دہر میں اپنا اے مصلح نہیں
یہی اشک جو مونسِ دل تھا کبھی، یہ بھی آتشِ دل کی دوا نہ ہوا



جانِ عالم

وہ جانِ عالم نہاں بھی ہو کر نگاہِ دل سے نہاں نہیں ہے
قدم قدم پر عیاں ہے لیکن قدم قدم پر عیاں نہیں ہے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
کوئی بھی ہستی نہیں ہے ایسی وہ جس کی روحِ رواں نہیں ہے

یہ اپنی اپنی نظر ہے ورنہ اسی زماں میں اسی مکاں میں
کئی ہیں ایسے بھی طور جن کا کسی کو وہم و گماں نہیں ہے

نہ سرفرازی سے کوئی مطلب نہ سرفروشی سے کوئی خطرہ
رہِ محبت کے رہرووں کو خیالِ سود و زیاں نہیں ہے

کبھی ستانا کبھی رلانا کبھی کسی کا لہو بہانا
ذرا تو سوچو اے چیرہ دستو کہ کیا غریبوں میں جاں نہیں ہے

یہ کس نے تم کو بتا دیا ہے کہ اس ستم کی سزا نہ ہوگی
زمیں یہ اب وہ زمیں نہیں ہے کہ آسماں آسماں نہیں ہے



تمنائے مرحوم

جب سکونِ دل میسر تھا فضائے دہر میں
یہ توقع تھی کہ بزمِ عشق کو گرماؤں گا
رہروِ الفت کو دوں گا مژدۂ اِنّی قَرِیْب
گیسوئے لیلیٰ کو دوشِ قیس پر لہراؤں گا
بازوئے حیدر سے لوں گا قوتِ خیبر شکن
ماسوا کو ماسوا کے خوف سے دہلاؤں گا
گلشن ہستی کو دوں گا مژدۂ فصلِ بہار
فرش پر عرشِ برین کے نور کو برساؤں گا
آہ تربت میں لئے جاتا ہوں اب وہ آرزو
چار سو کرتا رہا جس کے لئے میں جستجو!



خورشیدِ زماں

چارۂ دردِ نہاں راحت جاں آئے گا
غیرتِ لالہ رخاں رشک بتاں آئے گا

ظلمتِ ہجر میں قندیل سکوں جھلکے گی
کلبۂ حزن میں فانوس اماں آئے گا

نسخۂ دید سے پھر نبضِ جنوں سنبھلے گی
حجلۂ حسن سے درمانِ فغاں آئے گا

مرقدِ یاس سے امید بقا اٹھے گی
قالبِ درد میں آسائش جاں آئے گا

غرفۂ ناز سے انوار سحر پھوٹیں گے
خاورِ عیش سے خورشید زماں آئے گا

عالمِ وجد میں لہرائے گی مصلح دنیا
پردۂ غیب سے وہ رقصِ کنعان آئے گا



محبوب سبحانی

در مدح سیدنا محمود ایدہ اللہ الودود گفتہ است

پرتو خورشیدِ فارانی توئی مہبطِ انوارِ یزدانی توئی
سالکاں را از پئے دیو لعیں ہیکل نقشِ سلیمانی توئی
از تو حاصل شد خلافت را فروغ ثانی ات گفتیم و لاثانی توئی
از تو حسن معرفت شد آشکار کاشفِ اسرارِ قرآنی توئی
نخلِ ایماں از تو یابد برگ و بار نو بہارِ باغِ سلمانی توئی
حسن و احسانت نمے دارد نظیر روکشِ مہرِ درخشانی توئی
چہ کنم وصفِ تو اے جانِ جہاں لاجرم محبوبِ سبحانی توئی

مرہمِ دل از کجا آرم بدست
زخم می گوید کہ درمانی توئی



...ب سبحانی

...ته است

مہبطِ انوارِ یزدانی توئی
ہیکلِ نقشِ سلیمانی توئی
ثانی ات گفتیم و لاثانی توئی
کاشفِ اسرارِ قرآنی توئی
نو بہارِ باغِ سلمانی توئی
روکشِ مہرِ درخشانی توئی
لاجرم محبوبِ سبحانی توئی

...کجا آرم بدست
...که درمانی توئی



مرثیه حضرت ام المؤمنین رضی الله عنها

رَضِينَا بِالْقَضَاءِ وَمَا لَقِينَا — وَلَوْ صَرَفَتْ صُروفُ الدَّهْرِ فِينَا
وَ انْ يَأْتِ الزَّمَانُ بِكُلِّ خَيْرٍ — فَلا يَأْتِى بِأُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَا
فَكُلُّ الْقَوْمِ لِلْاَحْزَانِ صَرْعَى — فَيا لَلْحُزْنِ لَمْ يَتْرُكْ مُعِيْنَا
وَنَشْكُوْ بَثَّنَا فِىْ كُلِّ حِيْنٍ — اِلٰى رَبٍّ كَرِيْمٍ مَا بَقِيْنَا
فَيَا لَيْتَ الزَّمَانَ بِنَا يُوَاسِىْ — وَيَقْضِيْنَا بِخَشْنِ الْأَمْرِ لِيْنَا
وَنَرْجُلُ فِى مَجَالِ الْعُمْرِ هَوْنًا — وَرَكْبُ الْمَوْتِ عَنْ قُرْبٍ يلِيْنَا
وَنَرْجُو الدَّهْرَ فِى الْأَعْمَارِ طُوْلًا — وَسَهْمُ الْمَوْتِ يَفْجَأُ مَنْ هَوِيْنَا
تَذَكَّرُ هَادِمَ اللَّذَّاتِ تَتْرًا — اِلٰى مَا تَشْتَهِى تَمْرًا وَتِيْنَا

فَيَا لَيْتَ الْخُلُوْدَ لَنَا بِأَرْضٍ
مَضَتْ مِنْ عُمْرِنَا فِيْنَا سِنِيْنَا[۱]

۱......سنونا



ايضاً

فُجِئَتْ عَشَائِرُنَا بِطَعْنِ حَيَاتِهَا ضَنِكَتْ مَعِيْشَتُنَا بِحُزْنِ مَمَاتِهَا

خُتِمَتْ بِهَا وَبِشَأْنِهَا كُلُّ مَدْحَةٍ حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهَا وَصِفَاتِهَا

وَكَفٰى لِأُمِّ الْمُؤْمِنِينَ سِيَادَةً اَنْ كَانَ خَيْرُ الْخَلْقِ مَنْبَتَ ذَاتِهَا

لَوْ لَا الْعِيَاذُ بِرَبِّنَا مُتَكَفِّلٌ ضُرِبَتْ عَلَيْنَا حَوَادِثٌ بِوَفَاتِهَا

يَا لَيْتَ يُمْكِثُهَا الزَّمَانُ بِنَامَعًا هِيَ مَلْجَأٌ لِعُرَاتِهَا وَحُفَاتِهَا

فَمَنْ لَذِى حَازَا الْعَوَارِفَ مِثْلَهَا لِلّٰهِ دَرُّ خَدِيْجَة وَهُدَاتِهَا

اَسَفًا عَلَى الْاءِ غُصَارِ هَبَّ بِرَوْضَةٍ جَنَحَتْ اِلَيَّ قُطُوْفُهَا بِصَلَاتِهَا

نَدْعُوْ سَلَامَةَ اَهْلِهَا بِكَرَامَةٍ لَا رَيْبَ اَنَّ مَسِيْلَهَا بِفُرَاتِهَا

يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى عَشَائِرِ اُمِّنَا

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَ بَعْدَ مَمَاتِهَا



گُر مالا

مایا کے ہیں تینوں نام ٹُلسو، ٹُلسا، ٹُلسی رام
لو بھی جگ کی ریت نرالی کھوٹا سودا کھوٹے دام
گور کنارے جھوٹی آشا بوڑی گھوڑی لال لگام
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا ہاتھ نہ پہنچے کھٹے آم
جس کا کام اسی کو ساجے راج مکٹ کو جانے رام
اپنا بوجھ اپنے کاندھے پاپ نگر میں کیا بسرام
رن کی جیت نہ جیت کہائے من جو مارے سو بلرام
نیند نہ پوچھے کھاٹ کھٹولا پیت نہ دیکھے رادھا شام
گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے من کے ہاتھوں ہم بدنام
جس تن لاگے سو تن جانے تم کیا جانو یہ کہرام
لیکھ لکھت نہ میٹے کوئی بن بن چھانیں سیتا رام
کیسے کیسے دکھڑے دیکھے دنیا تجھ کو سات سلام

مصلح کو اب یاد کریں کیا
پاپی دکھیا کس کے کام



دیس پیا

میں دیس پیا سے دور ہوئی کوئی دیس پیا کے لے جائے
لے سیس مری دکھیارن کی اور دید پیا کی دے جائے

یا کہہ دے اتنا ساجن سے اک درد بھری بن باسن ہے
تیرے نام کو لے لے روتی ہے وہ دکھیا ہے اور پاپن ہے

سکھ چین گیا من میت گیا غمگین بھکارن پھرتی ہے
تیرا ہاتھ سنبھالے سنبھلے گی کبھی اُٹھتی ہے کبھی گرتی ہے

دن رات تمہاری آس میں ہے دکھ درد مصیبت سہتی ہے
جب ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے بے حال اداسن کہتی ہے

میں ڈوبی پاپ کے ساگر میں لو پکڑیو بالم بانہوں کو
اک نیا دہر میں تیری ہے تو سن لے ساجن آہوں کو

یہ رات بڑی اندھیاری ہے اور یاس کا ہر سو گھیرا ہے
میں راہ سے بھولی بھٹکی ہوں اور دور بسیرا تیرا ہے

دکھ درد کے بادل چھائے ہیں آلام کی برکھا برسے ہے

تو لے چل اپنی نگری کو تیرے مکھ کو منوا ترسے ہے

جو دیس میں تیرا راج رہے ہر آن میں اللہ والی ہو

میں تیرے باغ کی ڈالی ہوں تم میرے باغ کے مالی ہو

یہ دیکھ لے میری آہیں ہیں یہ سن لے میرے نالے ہیں

اس چڑیا رین بسیرے میں کیا بیکل فرقت والے ہیں



فراقِ قادیان

قلبِ حزیں کا کام ہے آہ و فغاں حمیدؔ
سینے میں جب سے ہے غمِ دارالاماں حمید

کس سے کریں شکایت چرخِ ستم شعار
سنتا ہے کون نالۂ دردِ نہاں حمید

غارت ہوا زمانے کے ہاتھوں سے وہ چمن
باندھا گیا تھا جس میں کبھی آشیاں حمید

روندی گئی وہ شومئی قسمت سے سرزمیں
جس کا اک ایک گوشہ تھا باغِ جناں حمید

ہر اک نہالِ باغ ہے ماتم میں سوگوار
ایسی چلی ہے دہر میں بادِ خزاں حمید

دارالاماں کے ہجر میں روتا ہوں رات دن
چشم الم ہے چشمۂ خونِ رواں حمید

رہ رہ کے یاد آتا ہے وہ آستانِ پاک
سویا ہوا ہے مہدیٔ دوراں جہاں حمید

ا......ایک عزیز کا نام

اقصیٰ[1] کا درس مجلسِ عرفاں کی رونقیں
وہ بادۂ طہور وہ پیرِ مغاں حمید
فضل و فتوح کی وادیٔ گل پوش اب کہاں
تڑپے ہے جس کے واسطے یہ نیم جاں حمید
زندہ تھا جس کی دید سے میرا جنونِ شوق
شیریں تھی جس کے نام سے میری زباں حمید
رحمت[2] کی ریل پیل نہ جانے کہاں گئی
روتا ہے جس کی یاد میں قلبِ تپاں حمید
کاٹے تھے میں نے جس میں جوانی کے رات دن
لوٹا گیا وہ خانۂ الفت نشاں حمید
تو ہی بتا وہ چاند سے چہرے کدھر گئے
ہالہ تھی جن کے واسطے آہ و فغاں حمید
دارالعلوم[3] یاد سے اترا نہیں ہنوز
پروان جس میں چڑھتے تھے طفل و جواں حمید
ہر وقت جس میں علم کا دریا تھا موجزن
شانِ حمید جس میں تھی ہر سو عیاں حمید

۱......مسجد کا نام ۔۲،۳......قادیان کے محلوں کے نام

جاہل تھے جس کے در کے بھکاری بنے ہوئے
عالم تھے جس کے فیض سے گوہر فشاں حمید

القصہ ایک خلد تھی وہ قادیاں نہ تھی
جس کا ہے داغ سینے میں شعلہ فشاں حمید



ارمان!

مری نوجوانی کے ارمان تھے وہ
مری سرفرازی کا سامان تھے وہ
مرے دل کی دنیا کے سلطان تھے وہ
کہاں چل دیئے مجھ کو ناشاد کرکے
مری آرزوؤں کو برباد کرکے

میں جاؤں گا ان کے لئے ہر مکاں میں
کبھی اِس جہاں میں کبھی اُس جہاں میں
کبھی آسماں پر کبھی لامکاں میں
کہ شاید وہ دلدار مل جائیں میرے
جدائی کے سب داغ دھل جائیں میرے

کبھی جا کے دیکھوں گا یزدانیوں میں
کبھی جا کے ڈھونڈوں گا فارانیوں میں
کبھی جا کے پوچھوں گا روحانیوں میں
کہ وہ شاہِ والا کہاں ہیں کدھر ہیں
مجھے لے چلو وہ جہاں ہیں جدھر ہیں

زمینوں سے جا کر زمانوں سے جا کر
مکینوں سے جا کر مکانوں سے جا کر
فضاؤں سے کیا آسمانوں سے جا کر
کہوں گا مرا دل دکھایا ہے تم نے
کہاں میرا یوسف چھپایا ہے تم نے
کبھی اپنی اقصیٰ کے مینار پر سے
کبھی قادیاں تیرے دیوار و در سے
کبھی آتے جاتے اِدھر سے اُدھر سے
اسی جانِ جاں کا تقاضا کروں گا
اسی مہ لقا کی تمنا کروں گا
اگر مل گیا مجھ کو وہ لامکانی
غمِ آرزوئے محبت کا پانی
تڑپتی ہے جس کے لئے زندگانی
مناؤں گا اس کو میں آنسو بہا کر
بٹھاؤں گا دل میں یہ آنکھیں بچھا کر

کہوں گا اے جانِ جہاں شاد کردے

میں برباد ہوں مجھ کو آباد کردے

اسیرِ ہوس ہوں تو آزاد کردے

کہ تیرے سوا کون فریاد رس ہے

توئی عاصیاں را خطا بخش و بس ہے



گلشنِ راز

یاد ایامے کہ یہ کون و مکاں بے بود تھا تو ہی تو جلوہ نما تھا تو ہی تو موجود تھا
خیر وشر کے سب مراحل تھے نہاں تقدیر میں نوریانِ عرش بھی تھے لوح کی تحریر میں
اِک ضمیر مستتر تھا یہ عناصر کا وجود لامکاں ہی لامکاں تھا یہ جہانِ ہست و بود
دوش وفردا کی کشاکش کیف سے محروم تھی مہر و ماہ و مشتری کی ذات بے مقسوم تھی
بے مظاہر تھا ابھی حسن و جمالِ سرمدی ساغرِ وحدت میں تھی پنہاں شرابِ ایزدی
ماورائے عقلِ انساں تھی ادائے لم یزل دانش و بینش سے بالا تھا مقامِ بے مثل
این و آنِ دو جہاں تھا پردۂ کتمان میں اِک ہَوِیّت تھی سراپا عرصۂ امکان میں
آستانِ حسن خالی تھا جبینِ شوق سے جذبۂ نوخیز واقف تھا نہ حرفِ ذوق سے
کاف وکن کے زمزمے تھی سینۂ تفرید میں کُنتُ کَنزًا مَخفِیًا تھاعالمِ تجرید میں

ناگہاں اٹھی صدائے کُن حریمِ ذات سے
ہوگئی سرشار کثرت جامِ تنزیہات سے

قلزمِ تحدیث سے ابھرا حبابِ ہست و بود امتزاجِ کیف وکم سے جم گئی بزمِ شہود
لم یکن کوساحرِ کُن سے ملارنگ صفات پردۂ ظلمت سے نکلا چشمۂ آبِ حیات
بادۂ مختومِ یزداں زینتِ محفل ہوا شاہدِ روحِ معانی رونق محمل ہوا
زبدۂ کون و مکاں نکلا جبینِ خاک سے جلوۂ انوار جھلکا روزنِ افلاک سے
مطلعِ لولاک سے پھوٹی شعاعِ آفتاب حیطۂ صلصال سے اٹھے ہزاروں ماہتاب

استوائے عرش سے آئی نوید جانفزا — گلشن امشاج میں چلنے لگی بادِ صبا
نازشِ طین و ترابِ زندگی پیدا ہوا — مظہرِ قدس و جمالِ سرمدی پیدا ہوا
قالبِ خاکی میں نور و نار یکجا ہوگئے — عرش کے جلوے زمیں پہ ناز فرما ہوگئے

طرۂ تاجِ امانت مل گیا انسان کو
منصبِ مخدومِ گیتی مل گیا اس جان کو

امتیازِ ما و تو نے کردیا پھر بیقرار — آرزوئے وصل میں تڑپی حیاتِ مستعار
لَا اِلٰـہَ کےدل سےاٹھی پھرصدائے اِلَّا ھُو — منزلِ مقصود کی ہونے لگی پھر جستجو
التجائے شوق میں نالے کہیں رسوا ہوئے — انتہائے عشق میں آنسو کہیں افشا ہوئے
لہلہایا گلشنِ اُلفت کبھی یونان میں — جگمگائی مشعلِ یزداں کبھی ایران میں
جـحـفـہ ُدل سے کسی نے باندھا احرامِ وفا — عقبۂ جمرات سے راندا کسی نے ماسوا
سعیِ مَرْوَہ سے کسی نے جستجوئے دید کی — طوفِ کعبہ سے کسی نے وصل کی امید کی
نازشِ فاراں سے پیدا ہوگئے لاکھوں فسوں — جلوۂ ساعیر سے پیدا ہوئے لاکھوں جنوں
رستخیزِ عشق نے محشر کئی برپا کیے — التفاتِ ناز نے عشوے کئی افشا کیے
عرش پر ڈالی کسی کے جوشِ الفت نے کمند — لامکاں در لامکاں پہنچا جنونِ دردمند

نَـحْـنُ اَقْـرَبُ کاہواچرچاخروشِ عام میں
بن گیا تسکینِ دل تو گردشِ ایام میں

اضطرابِ ہجر تھا لیکن مرے مقسوم میں — اشتیاقِ دید تھا میرے دلِ مرحوم میں
لَیْـتَ اُمِّـی لَـمْ تَلِدْنِی شکوۂ رنجور تھا — لَیْتَـنِـی کُـنْـتُ تُـرَابًـا نالۂ مہجور تھا

وائے قسمت، مبتلائے یاس کی فریاد تھی
وا دریغا، اک نوائے عاشقِ ناشاد تھی

گردشِ افلاک تھی آزار دِہ میرے لئے
غم فزا و جانگزا تھے کہ و مہ میرے لئے

تیری الفت سے مُعَنْوَن تھی حیاتِ مستعار
تیری فرقت کا بیاباں چار سو تھا شعلہ بار

گاہ افتاں گاہ خیزاں تھی جبینِ زندگی
گاہ پیدا گاہ پنہاں تھا نیازِ بندگی

کوئی منزل تھی نہ جادہ رہروِ ایام کا
کوئی ملجاء تھا نہ ماویٰ عاشقِ ناکام کا

اک جنونِ مشتعل تھا اور تیری جستجو
اک تلاشِ متصل تھی اور تیری آرزو

زہرہ و پرویں تھے محرم دیدۂ بیدار کے
دشت و صحرا رازداں تھے آہِ آتشبار کے

واقفِ آزار تھا اک مرقدِ خود ساختہ
محرمِ اسرار تھا اک شجرۂ افراختہ

غمگسارِ بے کسی تھی سرزمینِ عیدگاہ
چارہ سازِ بے بسی تھی التجائے اشک و آہ

آشنائے دردِ دل تھی سدرۂ پُرخار بھی
ہمدمِ بیچارگی تھی اک ببولِ زار بھی

نالشِ بیدادِ عصیاں جابجا کرتا تھا میں
سُو بسُو روتا تھا میں اور کُو بکُو مرتا تھا میں

اے خدا اب جانِ الفت کو صلائے دید دے
ماتمِ اہلِ محرم کو نوید عید دے

آرزوؤں کی تڑپ کو مطلعِ انوار کر
دیدۂ دل کو محیطِ گوہرِ اسرار کر

جگمگا دے میری دنیا جلوۂ فاران سے
لہلہا دے میرا گلشن کوثر رضوان سے

مصطفیٰؐ کا عشق دے میرے دلِ صد چاک کو
احمدیت کا جنوں دے بستۂ فتراک کو

انتہائے جستجو دے انتہائے راز دے
تا ابد جو اڑ سکے وہ شہپر پرواز دے

دوزخِ ہجراں بدل دے جنتِ دیدار میں
دانۂ تسبیح پرو دے رشتۂ زُنّار میں

لَمْ یَکُنْ کے ساز میں بھر دے صدائے لَمْ یَزَلْ
جاوداں در جاوداں کر دے حیاتِ پابگل

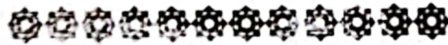
شوقِ لامحدود دے افسردۂ احزان کو
بالِ جبرائیل دے آشفتۂ حرمان کو

میری الفت کو ایاغِ بادۂ ایمان کر
میری ہستی کو چراغِ جادۂ عرفان کر

میرے نالوں کو درائے کارواں کا سوز دے
میری آہوں کو فروغِ انجمن افروز دے

کاسۂ دعوات بھر دے دولتِ دیدار سے
اے خدا مجھ کو بنا لے زمرۂ ابرار سے

آمین



دیوارِ گریہ

غسل در اشک زدم کاملِ طریقت گویند
پاک شو اول و پس دیدہ براں پاک انداز

(۱)

رونا، رونا مدام رونا ہے — صبح رونا ہے شام رونا ہے

عشرتوں کا مآل دیدۂ تر — حسرتوں کا پیام رونا ہے

نازش و ناز، نالہ و شیوَن — عشق کا اہتمام رونا ہے

میکدہ ہے کہ غمکدے کی فضا — بادہ گریہ ہے جام رونا ہے

خندۂ گل کا اعتبار نہ کر — قہقہوں میں تمام رونا ہے

منزلوں کا سکوں فریب خیال — کارواں کا خرام رونا ہے

شغلِ گریہ سے روکنے والو — میری آنکھوں کا کام رونا ہے

کون کافر ہے جو نہیں رویا — زندگی! تیرا نام رونا ہے

آخرت کی خبر نہیں مصلحؔ
اس جہاں میں تو عام رونا ہے



(۲)

تم کیا جانو اس الفت میں کیا رنج اٹھانے پڑتے ہیں
جو راز چھپانے ہوتے ہیں وہ راز بتانے پڑتے ہیں

ایسی بھی مصیبت آتی ہے، اس دل کی لگی کے ہاتھوں سے
اپنوں کے علاوہ غیروں کے احسان اٹھانے پڑتے ہیں

تم پھول کہو یا داغ انہیں لیکن یہ حقیقت ظاہر ہے
وہ زخم ہرے ہو جاتے ہیں جو زخم دکھانے پڑتے ہیں

فرقت کی سحر تو ہوتی ہے پر رات کے جانے جانے تک
اشکوں کے ستارے آنکھوں سے رہ رہ کے گرانے پڑتے ہیں

یہ 'جانِ وفا' یہ 'راحتِ جاں' تو عام جنوں کے عنواں ہیں
کچھ نام تمہارے وہ بھی ہیں جو لکھ کے مٹانے پڑتے ہیں

آدابِ محبت کی خاطر اس بزمِ جہاں میں اے مصلحؔ
ایسے بھی بہت سے گیت ہیں جو آنکھوں سے سنانے پڑتے ہیں



(۳)

حریم زھد میں دیکھی ہے کافری میں نے
گلیمِ فقر میں پائی ہے خودسری میں نے

تمہاری چشمِ عنایت کا کیا صلہ دوں گا
کہ جان دے کے خریدی ہے بے رخی میں نے

انہیں کے طرزِ مروت کا آج شاکی ہوں
جنہیں سکھائے تھے اندازِ دلبری میں نے

یہ تیرے کوچہ الفت کی خاک تھی. ورنہ
کبھی تو کی ہے ستاروں سے ہمسری میں نے

نہ جانے کس لئے وحشت سی پھر بھی ہوتی ہے
اگرچہ دیکھے ہیں لاکھوں ہی آدمی میں نے

کوئی تو بات ہے اس زندگی کے پردے میں
کہ جان دینے میں دیکھی ہے بہتری میں نے



(۴)

نہ جھپکنے پائے تھے آنکھ ہم کہ فلک کا دور بدل گیا
جو چلا بھی جھونکا نسیم کا تو کلی کلی کو مسل گیا

نہ سرور اب وہ سرور ہے نہ خمار اب وہ خمار ہے
میری زندگی کی شراب میں کوئی آ کے زہر اگل گیا

اسے کیا خبر کہ سکونِ عشق کی منزلیں ہیں کہاں کہاں
جو ادھر بڑھا تو الجھ گیا جو ادھر بڑھا تو پھسل گیا

مجھے ان کے وعدۂ وصل پر کوئی اعتبار نہ تھا مگر
دلِ بیقرار نہ جانے کیوں یہ کھلونا لے کے بہل گیا

رہی زندگی وہی زندگی رہے مرحلے وہی مرحلے
میں اگرچہ ان کی تلاش میں بڑی دور دور نکل گیا

اسے اپنے بادہ و جام پر اے خرابِ دہر گماں نہ کر
کہ یہ جامِ عشق وہ جام ہے کہ جو پی گیا وہ سنبھل گیا



(۵)

جب سے تیری نگاہ نہیں ہوتی
دل سے اپنی نباہ نہیں ہوتی

کاش ناصح کو کوئی سمجھائے
رسمِ الفت گناہ نہیں ہوتی

میکدہ میکدہ ہی رہتا ہے
یہ زمیں خانقاہ نہیں ہوتی

ان کو مشقِ ستم سے کیا روکیں
ہم غریبوں سے آہ نہیں ہوتی

دل کی تسکین کا پوچھتے کیا ہو
گاہ ہوتی ہے گاہ نہیں ہوتی

کچھ ستم اس جہاں میں ایسے ہیں
جن کی دنیا گواہ نہیں ہوتی

تیری آہوں کی خیر ہو مصلحؔ
دل کی دنیا تباہ نہیں ہوتی



(٦)

عشق ہی میرا دین ہے عشق ہی میری ذات ہے
عشق نہ ہو تو یہ جہاں مردہ سی کائنات ہے

ان کے جہانِ شوق میں اور بھی تھے نیاز مند
میرے ہی دل کو غم دیا حسنِ طلب کی بات ہے

دل کی نظر ہی نور ہے، دل کی نظر ہی طُور ہے
دل کی نظر نہ ہو اگر، کعبہ بھی سومنات ہے

گرچہ کبھی کا چھپ چکا پردے میں حسنِ لَمْ یَزَلْ
دل ہے مگر کہ آج بھی محوِ تجلیات ہے

عشق و وفا کے ولولے رنج و الم کی داستاں
مصلح تمہاری شاعری نغمۂ واردات ہے



(۷)

دردِ فراقِ یار ادھر ہے اُدھر نہیں
چرخِ ستم شعار ادھر ہے ادھر نہیں

جس کو ہوئی نہ فرصتِ عشرت کبھی نصیب
وہ عمرِ سوگوار اِدھر ہے اُدھر نہیں

محروم ہے جو لذتِ دیدار سے ابھی
وہ چشمِ اشکبار اِدھر ہے اُدھر نہیں

جس کا وجود ہستی الفت کی ہے دلیل
وہ کیفِ انتظار اِدھر ہے اُدھر نہیں

راتوں کی نیند اڑ گئی جس سے فراق میں
وہ شوقِ بیقرار اِدھر ہے اُدھر نہیں

قائم ہیں جس سے دردِ محبت کی عظمتیں
وہ آہِ شعلہ بار اِدھر ہے اُدھر نہیں

پھوٹے ہیں جس کے فیض سے پاؤں کے آبلے
وہ دشتِ خارزار اِدھر ہے اُدھر نہیں

جس شام روزگار کی ہوتی نہیں سحر
وہ شامِ روزگار اِدھر ہے اُدھر نہیں

تو ہی بتا اے داورِ الفت مجھے یہ راز
کیوں دل میں خلفشار اِدھر ہے اُدھر نہیں



(۸)

جبینِ آرزو بدلی نہ سنگِ آستاں بدلا
ترے طرزِ تغافل سے مرا طرزِ فغاں بدلا

وہی گلچیں وہی صیاد اب بھی ہے گلستاں میں
ہوا کیا موسمِ گل سے اگر دورِ خزاں بدلا

حوادث نے کچھ ایسے رنگ میں طرحِ ستم ڈالی
نہ چشمِ خونفشاں بدلی نہ قلب نیم جاں بدلا

مقدر کی پریشانی رہی پھر بھی پریشانی
بدلنے کو اگرچہ بارہا دورِ جہاں بدلا

پڑا رہنے دے اب اس کو اسی حالت میں چارہ گر
بڑی مشکل سے کروٹ یہ مریض ناتواں بدلا

مری عمر رواں نے کس سفینے کا جنم پایا
کہ ساحل پر پہنچ کر بھی نہ سیلِ بیکراں بدلا

نہ بدلی پھر بھی خوئے شعلہ باری برقِ سوزاں کی
جہاں تک ہوسکا ہم نے مقامِ آشیاں بدلا

نہ وہ ساقی نہ وہ صہبا نہ وہ محفل رہی باقی
مرے آنے سے میخانے میں دورِ میکشاں بدلا



(۹)

دل دے کے اپنی جان کو تڑپا رہا ہوں میں
اپنے کئے پہ آپ ہی پچھتا رہا ہوں میں

اس سے بھی کچھ سوا ہے مری زندگی کا حال
جو کچھ ترے پیار میں کہلا رہا ہوں میں

دل کہہ رہا ہے مجھ سے مری لغزشوں کا حال
اور دل کو اپنے طور سے سمجھا رہا ہوں میں

ساقی تری نوازشِ پیہم کا شکریہ
چرخِ زمانہ ساز سے گھبرا رہا ہوں میں

کل جانے کیا دکھائے تری چشمِ التفات
اب تک تو اس جہان کو جھٹلا رہا ہوں میں



(۱۰)

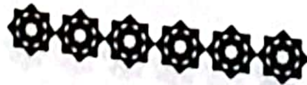
مت پوچھ مری حالت سرگشتہ و حیراں ہوں
دنیا سے پریشاں ہوں عقبیٰ سے پشیماں ہوں

کس راہ پہ جانا تھا، کس رہ پہ چلا آیا
بھٹکا ہوا راہی ہوں بھولا ہوا انساں ہوں

پھر جانے کہاں پھینکے یہ چرخِ کہن مجھ کو
اک بار نظر کیجئے اک لحظے کا مہماں ہوں

اب دستِ تمنا میں دامن بھی نہیں ان کا
اے وائے پشیمانی کس درجہ پشیماں ہوں

مصلحؔ بھی نہیں اتنا افسردہ مرے غم میں
جتنا کہ میں دنیا میں مصلحؔ سے پریشاں ہوں



(۱۱)

تیری محفل سے جو بھی آتا ہے
اپنے اپنے سروں میں گاتا ہے

میرے نالوں کو نارسا نہ سمجھ
تیری حالت پہ رحم آتا ہے

تو نے کیا کیا ستم کیے لیکن
میرا دل ہے کہ بھول جاتا ہے

راہِ الفت بڑی طویل سہی
چلنے والا پہنچ ہی جاتا ہے

تیری دنیا میں ہم فقیروں کو
کون اپنے گلے لگاتا ہے



(۱۲)

جانے کیا چیز دلبری میں نہیں
کوئی تسکین عاشقی میں نہیں

دن تو اب بھی گزر ہی جاتے ہیں
بات پہلی سی زندگی میں نہیں

سر نہ پیٹے تو کیا کرے انساں
آدمیت ہی آدمی میں نہیں

آئینہ لے کے آپ ہی دیکھو
کون سی چیز سادگی میں نہیں

یہ کسی اور کی صدا ہوگی!
اب وہ درویش اس گلی میں نہیں

سر جھکانے سے فائدہ مصلح
دل کا جھکنا جو بندگی میں نہیں!



(۱۳)

اسے کیا خبر کہ کیا ہے یہ سجودِ عاشقانہ
نہ ملا جسے جہاں میں تیرا سنگِ آستانہ

تیری بے رخی سے ظاہر تیری خوئے دلنوازی
تیری دشمنی سے روشن تیرا رنگ دوستانہ

ابھی اور بھی ہیں باقی میری زندگی کے لمحے
ابھی اور آزما لے مجھے گردشِ زمانہ

دلِ بیقرار ایسے میری سن رہا ہے باتیں
کوئی سن رہا ہو جیسے بڑا دکھ بھرا فسانہ

یہ رکوعِ خود پرستی یہ سجودِ خودنوازی
سبھی جانتے ہیں مصلح تیری شانِ مصلحانہ



(۱۴)

مذاقِ زندگی اپنا بدل جائے تو اچھا ہے
کسی صورت دلِ مضطر سنبھل جائے تو اچھا ہے

لگائے جاؤں گا سینے سے کب تک دشمنِ جاں کو
یہ تیرِ آرزو دل سے نکل جائے تو اچھا ہے

زمانہ بھر پہ کھل جائے کرامت آہ سوزاں کی
دلِ سنگیں اگر ان کا پگھل جائے تو اچھا ہے

جسے کھلنا نہیں ہے باغِ ہستی کی بہاروں میں
اسے دستِ خزاں آکر مسل جائے تو اچھا ہے

اگر منزل پہ جانا ہے کسی کی دستگیری سے
مرا اٹھا ہوا پاؤں پھسل جائے تو اچھا ہے

گذشتہ محفلوں کی داستاں کوئی سنا مصلحؔ
فسردہ سی طبیعت کچھ بہل جائے تو اچھا ہے



(۱۵)

جانے کتنی دیر لگے گی درد کا درماں ہوتے ہوتے
ہجر کے آنسو تھمتے تھمتے وصل کا ساماں ہوتے ہوتے

جان سے ان کی یاد کا رشتہ جانے کیونکر قائم ہے
ٹوٹ گئے جب ان سے اپنے سینکڑوں پیماں ہوتے ہوتے

بھاڑ میں جائے گھر کی زینت آگ لگے اس دنیا کو
جب وہ حسن کے رنگیں جلوے رہ گئے مہماں ہوتے ہوتے

ایک جھپک میں عشق کی بستی حسن نے ویراں کر ڈالی
ہم یہ سمجھے دیر لگے گی دل کو بیاباں ہوتے ہوتے

چاہ میں گرنا مصر میں بکنا قید میں پڑنا کھیل نہیں
جیتے جی مر جانا ہوگا یوسفؑ کنعاں ہوتے ہوتے



(۱۶)

جس سے روشن تھی زمیں وہ آسماں کھویا گیا
زندگی کیا، زندگی کا پاسباں کھویا گیا

ایک مدت تک تو دل کے ساتھ تھی۔ دل کی بہار
پھر خدا جانے کہاں یہ گلستاں کھویا گیا

ہائے کس صحرا میں قسمت نے چلایا ہے مجھے
میری امیدوں کا سارا کارواں کھویا گیا

چار سو دیکھا اِدھر روئے اُدھر فریاد کی
ان سے جانے کس کی تربت کا نشاں کھویا گیا

کوئی کب تک ساتھ دیتا ہے ہجر کے بیمار کا
چل کے تھوڑی دور ہر اک مہرباں کھویا گیا

محفلِ الفت سے مصلح ان کے اٹھ جانے کے بعد
زندگی کیا زندگی کا پاسباں کھویا گیا



(۱۷)

یہ بھی ہے ایک حادثہ گردشِ روزگار کا
ان سے پڑا معاملہ دیدۂ اشکبار کا

قلبِ حزیں کو چھیڑیئے یہ بھی تو ایک ساز ہے
چشمِ رواں کو دیکھئے رنگ ہے جوئبار کا

مجھ کو تو اعتبار ہے ان کی نگاہِ مہر پر
دل کو بھی اعتبار ہو گردشِ روزگار کا

حسنِ ازل تو آج بھی جلوہ نما ہے چار سو
ہم نے ہی نور کھو دیا دیدۂ انتظار کا

پھولوں بھری بہار سے کچھ بھی نہ ساتھ لے چلے
آہ برا ہو دہر میں دامنِ تار تار کا

جتنی بھی ہے وہ ڈال دے کاسۂ خاکسار میں
تا نہ رہے کوئی گلہ ساقیِ نامدار کا

چشمِ کرم اٹھایئے جامِ وصال دیجئے
ایسا بھی کیا قصور ہے مصلحؔ نابکار کا



(۱۸)

مرے دل نے کچھ ایسے بھی تقاضے ہیں بُھلا ڈالے
نہ کام آئے جہاں آنسو، نہ کام آئے جہاں نالے

یہ منزل کی کشش تھی جو اڑا کر لے گئی ورنہ
مرے پاؤں میں اب بھی ہیں وہی کانٹے وہی چھالے

رہِ الفت کی یہ دشواریاں تو پھر بھی آساں ہیں
گذرنا ہو تو جاں سے بھی گذر جاتے ہیں دل والے

میں اس جام و سبو کو ننگِ میخانہ سمجھتا ہوں
جسے پی کر سرِ محفل بہک جاتے ہیں متوالے

کہاں میں اور کہاں اس محفل رنگیں سے بیزاری
مگر تیرا بھلا ہو اے مرا دل توڑنے والے



(۱۹)

جب سے تمہاری دید کا ساماں نہیں رہا
کچھ اعتبار گردشِ دوراں نہیں رہا

جس سے ترے خیال کو بہلا رہا تھا میں
دستِ جنوں میں اب، وہ گریباں نہیں رہا

برق و شرر سے کون کرے عمر بھر نباہ
رہنے کا اب یہ صحن گلستاں نہیں رہا

اس دل کی بے بسی. کا ٹھکانا نہ پوچھئے
جس دل کو اعتمادِ بہاراں نہیں رہا

کرتا رہا میں جس کے لئے موت سے گریز
پیماں شکن کو یاد وہ پیماں نہیں رہا

اچھا ہوا کہ ٹوٹ گئے دل کے آسرے
کعبے میں کوئی دیر کا ساماں نہیں رہا

ان کا یہ اجتناب کوئی بے سبب نہیں
مصلح بھی ان کی شان. کے شایاں نہیں رہا



(۲۰)

حسن تمہارا گلشن گلشن　　عشق ہمارا تن من، تن من

عرصۂ ہستی کوئے ملامت　　راحتِ دنیا رہزن رہزن

عہدِ جوانی ایک فسانہ　　دل کی امنگیں مدفن مدفن

رشتۂ الفت پیچاں پیچاں　　گیسوئے قسمت اُلجھن اُلجھن

کس کو سنائیں غم کی کہانی　　اپنے پرائے دشمن دشمن

حیف یہ آنکھیں دید کی پیاسی　　اُف وہ نظارے چلمن چلمن

دیکھنے والے دیکھ ہی لیں گے　　تم بھی لگا لو قدغن قدغن

یہ نہ خبر تھی اے غمِ ہجراں　　ہم بھی پھریں گے بَن بَن، بَن بَن

دل میں ابھی تک یاد ہے ان کی　　جن سے ہے اپنی اَنْ بَنْ، ان بَنْ

کس کی نظر تھی جس نے اے مصلحؔ

پھونک دیا ہے خرمن خرمن



(۲۱)

اس دل کا داغ دکھایا گیا تو کیا
حالِ غمِ فراق سنایا گیا تو کیا

اب تک ملی نہ کعبۂ مقصود کی خبر
دیر و حرم میں سر کو جھکایا گیا تو کیا

غش بھی تو اک حجاب تھا نظرِ کلیم کا
رُخ سے ترے نقاب اٹھایا گیا تو کیا

دو گام چل کے رہ گئے دشتِ جنوں میں ہم
رہبر کو ساتھ ساتھ چلایا گیا تو کیا

موجِ بلا سے ڈوبنے والے نہ بچ سکے
کشتی کو وار پار لگایا گیا تو کیا

چرخِ کہن نے اور بھی لاکھوں ستم کئے
لوحِ جہاں سے مجھ کو مٹایا گیا تو کیا



(۲۲)

پھر وہی لحظہ بہ لحظہ یورشِ طوفانِ غم
پھر وہی دشتِ محبت یَم بہ یَم میرے لئے

پھر وہی گلشن بہ گلشن ماتمِ عہدِ بہار
پھر وہی مینا و ساغرِ سم بہ سم میرے لئے

پھر وہی صحرا بہ صحرا اضطرابِ عاشقی
پھر وہی آلامِ فرقت دم بہ دم میرے لئے

پھر وہی برزن بہ برزن شکوۂ جورِ فلک
پھر وہی سامانِ ہستی غم بہ غم میرے لئے

پھر وہی نالہ بہ نالہ آتشِ دردِ فراق
پھر وہی چشمِ تمنا نم بہ نم میرے لئے

پھر وہی سجدہ بہ سجدہ ابتہال و عاجزی
پھر وہی گیسوئے قسمت خم بہ خم میرے لئے



(۲۳)

یہی تھا جینا تو مجھ کو مٹا دیا ہوتا
ازل کے روز یہ جھگڑا چکا دیا ہوتا

تمہارے طُور کے قابل کہاں تھا یہ عاصی
کسی بہانے سے چہرہ دکھا دیا ہوتا

یہ مانا ہجر کے لمحے خراب ہوتے ہیں
مگر یہ پہلے ہی مجھ کو بتا دیا ہوتا

دلِ حزیں کا بسانا تمہارے بس میں تھا
گرا کے دَیر کو کعبہ بنا دیا ہوتا

کہاں سے لاؤں میں بیتی ہوئی بہاروں کو
تمہیں جو آنا تھا گلشن کھلا دیا ہوتا!



(۲۴)

ہائے الفت کی ناز فرمائی
ہم سے چھوٹی نہ دشت پیمائی

تجھ کو الزام کون دیتا ہے
میری قسمت میں ہوگی رسوائی

دل پریشاں ہے گھر بیاباں ہے
کس کو بھولی ہے تیری رعنائی

درد والے ہی جان سکتے ہیں
دردمندوں کی ناشکیبائی

تم تو جاتے ہو فی امان اللّٰہ
کون ہوگا شریکِ تنہائی

یہ بھی شاید تری عنایت ہے
بیٹھے بیٹھے جو آنکھ بھر آئی

میں جو بھولا تو غم زمانے کے
یاد آئی تو تیری یاد آئی



(۲۵)

پھر وہی کوسِ رحیل منتظر میرے لئے
پھر وہی وقتِ وداعِ چارہ گر میرے لئے

پھر وہی کلفت وہی وحشت وہی دیوانگی
پھر وہی صحرا وہی کوہ و کمر میرے لئے

پھر وہی بہرہ وہی بخرہ وہی بختِ سیاہ
پھر وہی خرمن وہی برق و شرر میرے لئے

پھر وہی راتیں وہی گردُوں وہی بیداریاں
پھر وہی اختر وہی کارِ نظر میرے لئے

پھر وہی جادہ وہی منزل وہی دشت و جبل
پھر وہی رہزن وہی خوف و خطر میرے لئے

پھر وہی خلوت وہی ظلمت وہی بیتابیاں
پھر وہی زنداں وہی دیوار و در میرے لئے

پھر وہی حسرت وہی فرقت وہی بیچارگی

پھر وہی گردش وہی شام و سحر میرے لئے

پھر وہی مونس وہی ہمدم وہی پرسانِ غم

پھر وہی آنسو وہی دامانِ تر میرے لئے



(۲۶)

کسی کی الفت میں خوں کے آنسو بہا رہے ہیں بہانے والے
کسی کے جلووں پہ جان اپنی لٹا رہے ہیں لٹانے والے

کہاں ہے منزل کہاں ہے محمل کہاں ہے لیلیٰ خبر نہیں ہے
بس اتنا سمجھے مہار دل کی اٹھا رہے ہیں اٹھانے والے

گدا سمجھ کر وہ بھیک دے دیں اے کاش حسنِ کرشمہ گر کی
درِ مسیحا پہ جا کے دھونی رما رہے ہیں رمانے والے

ادھر سے گذریں وہ یا نہ گذریں رہے خیالِ وصالِ جاناں
رہِ محبت میں اپنی آنکھیں بچھا رہے ہیں بچھانے والے

یہ باغ اچھا یہ پھول اچھے یہ شاخ اچھی بجا ہے لیکن
گذر ہو کیسے جب آشیانہ جلا رہے ہیں جلانے والے

کب ہوگا زندہ شہیدِ فرقت یہ بھید مصلحؔ خدا ہی جانے
ابھی تو اس بینوا کا لاشہ دبا رہے ہیں دبانے والے



(۲۷)

دل جب تک اپنے ساتھ رہا دکھ درد کے نالے ساتھ رہے
گردوں میں ستارے اور بھی تھے اس چاند کے ہالے ساتھ رہے

دنیا میں بیاباں گردی سے یوں حال بدلتے دیکھا ہے
اس پاؤں کے کانٹے ساتھ ہیں اب جس پاؤں کے چھالے ساتھ رہے

ساحل تو چھٹا تھا پہلے ہی کشتی بھی بھنور میں ڈوب گئی
دریائے محبت میں لیکن طوفاں کے اُچھالے ساتھ رہے

کیا آگ تھی دل میں جانے خدا جو بڑھتی گئی اور کم نہ ہوئی
گو شام و سحر کے رونے میں برسات کے جھالے ساتھ رہے

مضطرؔ کو جہاں میں گرتے ہی اُمید کرم نے تھام لیا
عصیاں کی اندھیری راتوں میں رحمت کے اُجالے ساتھ رہے



دیس راگ

بھال بھال تھکی آں میں لبھ لبھ ہاری آں
انگ انگ چور ہویا درداں دی ماری آں
کس نوں میں بھید دساں کس دی پچاری آں
دکھ والی اگ سینے دل دی ازاری آں

جاواں کیہڑی تھاں تے میں دساں کی طبیباں نوں
تیرے باہجھ سوہنیاں میں رونی آں نصیباں نوں

ڈُب گئے نے چن تارے اُڈ گیا ئے نور بھی
چھپ گیا ئے مکھ تیرا بجھ گیا ئے طور بھی
تیرے باہجھ دکھ ہویا سکھ تے سرور بھی
دناں مینوں کنڈ دتی ہویا ئے نشور بھی

اک واری آ ایتھے چمن تے ستاریا
جان تیتھوں گھول گھتی جگ تیتھوں واریا

اوہ بھی دن ہیسی جدوں جان تو قریب سائیں
دل دا علاج میرے دکھاں دا طبیب سائیں
ہاڑے جیہڑے پیش آئے اونہاں دا مجیب سائیں
دھروں میرے لکھے ہوئے عشق دا نصیب سائیں

اَج کیڑی گل پچھے بُھل گیائیں پیار نوں
گلی گلی خوار کیتائی ایس اوگنہار نوں

راہاں اُتے رُل رُل جندڑی اے رُل گئی
لکھاں والے مُل والی ککھاں نال تل گئی
ہنجواں دا واس کیتا اکھیاں تو ڈھل گئی
بُھلّی میں اجیہی میری جان میتھوں بُھل گئی

جیہڑے کدی اپنے سن اج نے بیگانڑے
مین ہاں دیوانی اِکّے لوک نے دیوانڑے

رب جانے کدوں تائیں رونی آں تے رواں گی
نیناں والی جوگ تائیں جونی آں تے جوواں گی

ہجر والے داغ تائیں دھونی آں تے دھوواں گی
دودھ پالے چونڈیاں نوں کھونی آں تے کھوواں گی

تینوں کاہدی وات میرے دکھ تے آزار دی
پار والے واسیاں نوں سار کی اورار دی

ڈاہڈا مندا حال ہویا گُن دی اساری دا
لدھا نہ طبیب کوئی دل دی بیماری دا
لٹ لیا مال کسے ایس بیوپاری دا
ہووے کیڑا جگ اتے اوگناندی ماری دا

آکے ہن کون دیوے دل نوں دلاسڑے
رونی آں میں دکھاں تائیں لوکاندے نے ہاسڑے

لکھ میں لکاواں میتھوں غم نہیں لکدا
نیناں والی نہر وچوں نیر نہیوں سکدا
ہونی والا تیر چناں اینویں نہیوں اکدا
اپنا پرایا اج نیڑے نہیوں ڈھکدا

دل والا روگ شالا کسے تائیں لگے ناں

جیہڑی سانوں وگی اے اوہ وَیریاں نوں وگے ناں

جوگناں دا دیس لایا جنگلاں دا داس اے

جثے وچ رَت نہ اوہ ہڈیاں تے ماس اے

کنڈیاں دی سیج اُتے جندڑی اداس اے

جانے کیڑی گل پچھے دکھ تیرا راس اے

آویں تے سناواں تینوں غم دیاں بیتیاں

اَج بھاویں جھولی پیان جھڑیاں میں کیتیاں

کاواں نوں اُڈانا کدی اوسیاندا پاونا

سد کے نجومی کدی ہتھ نوں دکھاونا

رملی نوں پچھ گلاں فال دا کڈھاونا

بوہے ول تک تک راہاں اتے جاونا

ایہو سدا کار تیری بندڑی دی کار اے
رب جانے کدو تائیں دناں والی ہار اے

جھلی جھلی آکھ کے ایہہ جگ مہنے مار دا
غوطے اینویں دیئی جاندا ڈوبدا نہ تار دا
کوکاں بھاویں لکھ واری مل نہیں پکار دا
رب جانے لایا سی میں نہیوں کیہڑے وار دا

آکے ہن ڈُبی ہوئی جندڑی نوں تار دے
تیری آں میں تیری آں توں ایچ نہ وسار دے

لوک بھاویں سچ آہندے غم نوں وسار دے
ہنجواں نوں پونجدے توں اکھیاں نوں ٹھار دے
پچھے ول موڑ واگاں دل نوں مہار دے
غم دی ایہہ رات جویں آئی آ گذار دے

دل دا ایہہ روگ پر دلاں والے جاݨدے
ایویں لوک متیں پھدیندے سرنوں کھپاوندے

دکھ والی کوک اج کومئلے توں کوک نی
انبیاں دے دیس والا راگ کوئی پھوک نی
ماہی تیرے نال کیتا دس کی سلوک نی
کھول کے وکھا ذرا کالجے دی ہوک نی

میں بھی تیرے وانگ پئی رونی آں وچھوڑے نوں
کیہڑا ہووے جوڑے جیہڑا لیکھ دے اجوڑے نوں

سانبھ ہتھیں ونج بیڑی ٹھیل دے مہانیاں
رب تیری پوری پائے پور نوں لدانیاں
گھمناندے گھیر ٹھلیں سوچ کے سیانیاں
چھیتی ذرا ونج لائیں اللہ تائیں بھانیاں

کونج وانگ کوکدی میں رہاں نہ اورار وے
جند میری لباں اُتے ماہی میرا پار وے



جگر لخت لخت



خَلُق و عَالَم جُملہ دَرُ شور و شَر اند
عِشقبازاںُ در مقامِ دیگر اند

ہم کو کیا غیروں سے اور ان کے جہاں سے واسطہ

ہم خدا کے ہیں خدا والوں کی دنیا اور ہے



خرمن عیش و طرب جل جائے گا اک آن میں

بجلیاں برسیں گی بادل کالے کالے آئیں گے

کشتیٔ صبر و وفا پھنس جائے گی گرداب میں

قلزمِ آفات میں ہر سُو اچھالے جائیں گے

رہبروں کے بھیس میں رہزن ملیں گے سینکڑوں

مسجدوں کی شکل پر لاکھوں شوالے آئیں گے

راہروِ راہ فنا چلنا سمجھ کر سوچ کر

ظلمتیں آئیں گی پہلے پھر اُجالے آئیں گے



کلکِ ازل نے لکھ دیا میری جبینِ شوق پر
یہ بھی ہے ایک حادثہ غم کے حوادثات میں
قلب و نظر ہیں منتظر اب بھی اُسی جمال کے
لات و منات کھو گئے جس کی تجلّیات میں
دَیر و حرم کی چشمکیں جس کو نہ فاش کر سکیں
ہم نے وہ راز پا لیا تیری نگارشات میں



ہم نے دل پر جو زخم کھائے ہیں کیسے کیسے وہ رنگ لائے ہیں
کون جانے کہ میری قسمت میں کتنی دھوپیں ہیں کتنے سائے ہیں
پونچھ آنسو یہ کیسا رونا ہے! دیکھ مصلح وہ کون آئے ہیں



دنیا کے مصیبت خانے میں آ جا کے یہی کچھ ہونا تھا
اُلفت میں تمہاری جینا تھا فرقت میں تمہاری رونا تھا

بیکار الجھ کر بیٹھ گیا تو سود و زیاں کے جھگڑوں میں
الفت میں اگر کچھ پانا تھا نادان سبھی کچھ کھونا تھا

ہو خیر الٰہی کس کو یہ تربت اتارا جاتا ہے
مصلح کو ابھی تو دیکھا تھا بیمار وہ ایسا تو نہ تھا



جلتے ہی بجھا بیٹھے چراغِ ہستی ہم نے تو سرِ شام ہی منہ دیکھا سحر کا
اے مُرغ سرِ بام نہ کر نغمہ سرائی صیاد کو معلوم ہے رستہ تیرے گھر کا



سمندِ عمر نے ایسی دکھائی برق رفتاری
کہ ہم آتے ہی گویا چل دئے ہیں تیری محفل سے
وہ کیسی بے بسی اور مایوسی کا عالم تھا
ہمارے ڈوبنے کا حال پوچھے کوئی ساحل سے



کچھ کٹی دنیا میں آ کر نیم جانوں کی طرح
کچھ گذاری دہر میں بے خانمانوں کی طرح

ہیں تلاشِ یار میں دل کی جنوں افزائیاں
جو لئے پھرتی ہیں مجھ کو ساربانوں کی طرح



بہار آئی پرندے چہچہائے
شجر پھولے پھلے اور لہلہائے

مگر بے بر رہا نخلِ تمنا
بہت سینچا بہت آنسو بہائے



بنایا تھا ترے عہدِ وفا نے
مرے دل کو تمناؤں کی بستی

مگر حسرت کی اک یورش نے کر دی
تہ و بالا مری دنیا کی ہستی



جو تجھ سے لَو لگا بیٹھے ہیں دنیا چھوڑ بیٹھے ہیں
یہ دنیا کیا ہے عقبیٰ کی تمنا چھوڑ بیٹھے ہیں

خدا جانے بھرا کیا ہے تری مخمور آنکھوں میں
جوان کو دیکھ بیٹھے ہیں وہ صہبا چھوڑ بیٹھے ہیں



خدا شاہد ہے یہ دنیا ستم سازوں کی دنیا ہے
کسی طائر سے لیتے ہیں کسی صیاد کے بدلے



راندا جسے نصیب نے ہر در سے بے مراد
اُس بے نوا فقیر کی روتی صدا ہوں میں



مری بربادیاں تو دیدۂ گریاں سے ظاہر ہیں
تمہارا بھی اگر امتحاں ہوتا تو کیا ہوتا



جوگ لینا یا اداسیاں کھینچنا آساں نہیں
آتا ہے دھونی رمانا در بدر پھرنے کے بعد



پچھلا پہر بھی آیا اے شوخ اب تو آجا
تارے بھی چھپ گئے ہیں گردوں پہ کہکشاں بھی
اچھا ہوا کہ دونوں خاکِ سیاہ ہوئے ہیں
اُس برقِ بے اماں سے طائر بھی آشیاں بھی



پھر بڑھا ان کے قدم لینے کو شوق
پھر سرِ تسلیم جھکتا جائے ہے
رو رہی ہے پھر مسلمانی مری
کفر کا اقرار ہوتا جائے ہے
کاش ہو جائے درِ امید وا
رہگذر میں کوئی روتا جائے ہے
تیرے دیوانے کی تربت کا نشاں
بے خبر آ دیکھ مِٹتا جائے ہے



خنجر دھرا رہا وہیں شمشیر گر پڑی
ہم نے سرِ نیاز جھکایا تو رو دیے



کئی مجھ سے فرقت میں نالے ہوئے ہیں مگر وہ کلیجہ سنبھالے ہوئے ہیں



کیسے گزرے گی یہ پہاڑ سی رات میری توبہ مرے خدا توبہ



بہایا خونِ دل برسوں کبھی خونِ جگر اپنا نہ سمجھا تو نے اپنوں کو بھی وائے چشمِ تر اپنا
ازل سے زیرِ تیغ آرزوئے یار بیٹھا ہوں رہی نہ خودسری اپنی رہا باقی نہ سر اپنا



وفائیں اہلِ الفت کی ستمگاری سے قائم ہیں یہ کاشانہ جہاں میں آتش افشانی سے باقی ہے



کہتے ہیں لوگ مر گیا مصلح گناہگار اچھا ہوا درست ہوا اور بجا ہوا



راضی برضا تھے میرے مرنے پہ جو مصلح
اب پوچھتے ہیں حال وہ اس خاک بسر کا



اٹھنے لگی ہے روئے منور سے پھر نقاب　　　کچھ ہے ضرور اہل محبت کی آہ میں



وہ آئیں خدارا، خدارا وہ آئیں　　　سرِ رہ کھڑی ہیں مِری التجائیں



مصلح کو جہاں میں گرتے ہی امید کرم نے تھام لیا

عِصیاں کی اندھیری راتوں میں رحمت کے اُجالے ساتھ رہے



نقاب رخ سے اٹھا کر وہ شوخ کہتا ہے　　　اِسے بھی گردشِ لیل و نہار کہتے ہیں

مِرے گناہوں کو اتنا بڑھا نہ اے واعظ

بڑی ہے رحمتِ پروردگار کہتے ہیں



کوسِ رحیل

کوسِ رحیل

آج دل ونظر کے تقاضوں کی وہ رنگینیاں جو قوس قزح کی طرح دلآویز تھیں افقِ ماحول پر مدھم پڑ چکی ہیں اور توبہ کے وہ دریچے جو اس کی رحمتِ خاص سے وا تھے اور ان میں سے

ایں درگہ ٔ ما درگہ ٔ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

کی خوش کن صدائیں آ رہی تھیں۔اب میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔بہر کیف تقدیر خیر وشر کو اعمال انسانی کا نتیجہ سمجھتا ہوں اور متوقع پریشانیوں سے گھبرانے کی بجائے اپنی بوئی ہوئی فصل کاٹنے میں مصروف ہوں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

سوچتا ہوں کہ وہ چمن جس میں خود میرے ہی اعمال برق و باراں کو دعوتِ تخریب

دے چکے ہیں اب اس میں کیسے زندگی بسر کروں گا۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ اب میں اس وادیٔ لالہ زار پر امراء القیس کی طرح آخری آنسو بہاؤں اور ہمیشہ کی جلاوطنی کا عزم باندھوں۔

قِفَا نَبْکِ مِنْ ذِکْرٰی حَبِیْبٍ وَ مَنْزِلِ

بِسِقْطِ اللِّوٰی بَیْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

ترجمہ: اے میرے دوستو آؤ کہ ہم اس منزل پر جو دخولؔ اور حوملؔ کے درمیان ریتلے ٹیلے کے کنارے نکڑ کے قریب واقع ہے، اپنے محبوب کی یاد میں آنسو بہائیں۔

اس وادیٔ جنت نظیر کا ماحول اگرچہ میرے شفیق والدین، غمگسار بھائیوں اور بہترین دوستوں کی نوازشات سے لبریز ہے مگر ابنِ آدم کی لغزشیں اس میں رہائش کی اجازت نہیں دیتیں۔ ناچار یہاں سے لاہور جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور گھر والوں سے رخصت ہو کر عزیزم چوہدری عبدالعزیز کے پاس بیٹھا ہوں۔ ان کی خواہش ہے کہ میں چند روز کے قیام کے بعد لاہور سے واپس آ جاؤں مگر میرا احساسِ ندامت اس ماحول کی سکونت سے گریزاں ہے۔ اس لئے عزیزم چوہدری صاحب سے آخری ملاقات کر کے لاہور کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔

سنگ سبھا سب تج گئے کوئی نہ نبھو ساتھ

کہہ نانک اس بپت میں ایک رہا رگھناتھ

میں اس وقت لاری میں بیٹھا اس بستی کی عطر بیز فضاؤں اور رنگین محفلوں کی یاد سے اپنے مشامِ جاں کو مہکار ہا ہوں۔ اب ماں باپ کی بے مثال شفقت، بھائیوں کا لا جواب حسنِ سلوک اور بعض دوستوں کی بے نظیر ہمدردی کے واقعات ایک ایک کر کے میرے سامنے آرہے ہیں۔ اور میں دمِ واپسیں کی طرح اس بلدۂ مطہرہ کے قالب حسین سے پرواز کر رہا ہوں۔ راستے میں پنڈی بھٹیاں، سکھیکی اور شیخوپورہ کی آبادیاں دعوتِ نظارہ دیتی ہوئی گزر رہی ہیں اور میں ناوک کشیدہ کی طرح لاہور کے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ اس خلوت رواں میں بس کے ٹائروں کے ساز کے ساتھ میری قسمت کا مغنّی ؎

شمع ایم خوانده ایم خطِ سر نوشتِ خویش

مارا برائے سوز و گداز آفریده اند

کا گیت گا رہا ہے اور میں اپنے ماضی و حال کی مصیبتوں کا جائزہ لیتے ہوئے "خود کردہ را علاجے نیست" کی حقیقت کو بے نقاب دیکھ رہا ہوں۔ اب لاہور آچکا ہے اور میں ریڈیو کے گیتوں سے عزیزم عبدالرب کی پر خلوص محفل اور عزیزم اسماعیل خالد کے میٹھے ترانوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے چوہدری عبدالواحد کمبو کے گھر کی طرف جا رہا ہوں۔ لاہور اگرچہ لاہور ہے مگر اس کے ہنگاموں میں وہ زندگی کہاں جس کے نہ ہونے کی حسرت دل کو تڑپا

رہی ہے۔ تانگہ انارکلی سے گزر کر مزنگ کی طرف رواں دواں ہے اور عزیزم چوہدری کا گھر جو بھونڈ پورہ کی آبادی میں واقع ہے قریب آ گیا ہے۔ یہ آبادی اگرچہ لاہور کے دوسرے حصوں کی طرح خوبصورت نہیں مگر اس لحاظ سے کہ عزیزم چوہدری عبدالواحد ایسا مہربان دوست یہاں مقیم ہے نہایت سکوں بخش ہے۔

أُحِبُّ الْأَرْضَ تَسْكُنُهَا سُلَيْمٰى

وَلَوْ كَانَتْ تَوَارَثُهَا الْجَدُوْبُ

مجھے وہ سرزمین جہاں سُلیمیٰ رہتی ہے بہت ہی محبوب ہے اگرچہ قحط نے اس کے چاروں طرف ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

میری آمد پر عزیزم چوہدری صاحب نے جس مثالی مہمان نوازی کا ثبوت دیا ہے اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں۔ میں عزیز موصوف کے یہ خصائل جو انہیں اپنے والد محترم چوہدری فضل الدین صاحب اوورسیئر سے ورثہ میں ملے ہیں دیکھ کر حیران ہوں اور سوچ رہا ہوں کہ کاش مجھے بھی اسی طرح اپنے مقدس والد کی کوئی خوبی مل جاتی مگر اس حسرت کا کیا علاج۔

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

میں ان خیالات کے نشیب و فراز میں سے گزرتے ہوئے تنگیٔ مکان کی وجہ سے بالاخانے کی چھت پر لیٹا ہوا ہوں آپ دوسری چارپائی پر بیٹھے ہوئے میرے حالات پوچھ رہے ہیں اور میں اپنے زخمہ وساز سے گردشِ روزگار کا رونا رو رہا ہوں۔

اے وائے بر اسیرے کزیاد رفتہ باشد

در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

ستارے چونکہ منزل شام سے کوچ کر کے اب نیمۂ شب کی وادی میں قدم رکھ چکے ہیں اس لئے ہم اپنے اپنے بسترِ راحت پر لیٹ کر سونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی ناشتہ سے فارغ ہو کر میں اختر گوبند پوری اور بعض دوسرے دوستوں کو ملنے چلا گیا اور عزیزم چوہدری صاحب اپنے کام پر انارکلی روانہ ہو گئے۔ آج کا دن انارکلی کے کہکشاں اور مال روڈ کے چائنا ہوٹل میں گزرا مگر وہ لطفِ خاص جو اس سفر سے قبل دوستوں کی محفل میں آیا کرتا تھا میسر نہ آسکا۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار

یہ بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

ناچار رات پھر عزیزم چوہدری صاحب کے پاس گزاری اور صبح ہوتے ہی موضع مہلنوال جو لاہور سے تقریباً پندرہ میل کی مسافت پر دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے

وہاں چلا گیا۔ یہ موضع میرے دوست شیخ محمد انور کمبو کی جائے رہائش ہے اور چونکہ یہاں شہروں کا شوروشغب نہیں اس لئے مجھے یہاں کے ورود سے وہ سکونِ خاطر اور تنہائیاں جو لاہور کے ہنگاموں میں مفقود ہو چکی تھیں پھر میسر آ گئیں۔ یہاں پر چند روز کی رہائش اور مطالعۂ زندگی کے بعد آج سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ ہنگامۂ رستخیز کس کروٹ بیٹھے گا اور میں کب تک شومیِ قسمت کے غنیم سے نبرد آزما رہوں گا۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، یہ پناہ گاہیں ٹوٹیں گی اور یہ لوگ جو آج سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں آشناؤں سے ناآشنا ہو جائیں گے اس لئے یہی بہتر ہے کہ آئینۂ امروز میں فکرِ فردا کو اتاروں اور ان پناہ گاہوں سے بے نیاز ہو جاؤں۔ میں اسی ورطۂ خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ ناگاہ میرے ہاتفِ دل نے مجھے پھر لاہور جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی میں مہلنوال سے لاہور جانے والی بس پر سوار ہو گیا۔ دورانِ سفر میں حصولِ ملازمت کے لئے کئی ایک ذرائع ذہن میں آئے اس لئے میں نے بس سے اترتے ہی بعض دوستوں کی خدمت میں اس کارِ بود و ماند کے لئے استدعا کی۔ چنانچہ اختر گوبند پوری اور ان کے برادرِ کلاں اصغر گوبند پوری نے اس موقع پر اَلدُّنیا بِالْوَسَائِل کے تحت بہترین وسیلوں کا ثبوت دیا اور مختلف سکولوں اور کالجوں میں جا کر میری راحت کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کی مگر افسوس کہ ان کی موجودہ جدوجہد ہر طرف سے یہی جواب لائی کہ چونکہ اس وقت موسمی تعطیلات کی وجہ سے تمام ادارہ ہائے تعلیم بند ہیں اس لئے کچھ نہیں ہو سکتا۔

اس جوابِ باصواب سے امیدوں کے وہ ہوائی قلعے جو میں نے چند روز قبل تعمیر کئے تھے پیوندِ زمین ہوگئے اور میں مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کا اقرار کرتے ہوئے عالمِ سفلی سے مایوس ہوکر عالم علوی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس موقع پر عزیزم چوہدری نے اپنے سرمایہ سے عملی ہمدردی کا یقین بھی دلایا اور بعض ایسی تجارتوں کی طرف راہنمائی کی جو سرمایہ کی کمی کے باوجود بہت زیادہ نفع مند ثابت ہوسکتی تھیں مگر میرے دل نے اس خلافِ طبیعت گذران کو پسند نہ کیا۔

ساجن سلا نہ چوگیو چاہے ہو سونے کی بال
بول رہے دن جائیں گے سموں ملئے گی کال

ترجمہ: اے دوست بالیاں خواہ سونے کی ہوں تب بھی نہ چُن کیونکہ قحط تو وقت پر دور ہوگا مگر لوگوں کو یہ بات یاد رہ جائے گی۔

آج یکشنبہ ہونے کی وجہ سے عزیزم چوہدری صاحب کو چھٹی ہے اس لئے ان کا ارادہ ہے کہ آج ہم گلبرگ کالونی اور بعض دیگر اہم مقامات کی سیر کریں۔ چنانچہ ناشتہ سے فارغ ہوکر ہم سیر وسیاحت میں مصروف ہیں اور نسل انسانی کے تنوعات ذہنی کا مطالعہ کررہے ہیں۔ لارنس گارڈن جسے آجکل باغِ جناح کے نام سے پکارا جاتا ہے اس میں مغربی تہذیب

کے وہ دلدادہ نوجوان جنہیں ساحر مغرب تہذیب نو کا برگِ حشیش پلا چکا ہے جگہ جگہ حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں بعض ایسے ہجوم بھی نظر آرہے ہیں جن کے سرمہ و پوڈر کی بے نقابیاں اور عطر و لَوِنڈر میں بسی ہوئی ساڑھیاں تہذیبِ فرنگ کے سامنے احکامِ اسلامی کی شکست کا اعلان کررہی ہیں۔ مَیں یہ نظارہ چشم حیرت سے دیکھ رہا ہوں اور آج کے مسلمانوں کا کل کے مسلمانوں سے مقابلہ کررہا ہوں۔ معلوم نہیں حضرت آدمؑ کی یہ نسل ابھی کن کن ہتھیاروں سے سینۂ اسلام کو چھلنی کرے گی اور اس کے لاشۂ بے جان پر عفریت نصرانیت کا سٹیچو بنائے گی۔

غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اَش روشن کند چشم زلیخا را

یہ مناظر عبرت دیکھنے کے بعد میں اور عزیزم چوہدری اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگئے اور شغل طعام وکلام سے فارغ ہوکر آنے والی صبح کے انتظار میں سوگئے۔

افسوس کہ لاہور کے موجودہ ہنگامے اس عہد گزشتہ کا جواب پیدا نہیں کرسکے اور میں باوجود اتنی گہما گہمی کے اسی تنہائی کو محسوس کررہا ہوں جو اپنے عزیزوں سے جدا ہونے کے بعد شامل حال رہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انارکلی اور مال روڈ کی زیبائشیں خلق خدا کو دور دور سے لاکر اپنے آستانۂ حسن و جمال پر جھکاتی رہتی ہیں مگر میں ہر روز ان میں سے گزرتے

ہوئے شمشان بھومی کے نظارے دیکھتا رہتا ہوں۔ معلوم نہیں اس طرز دید میں میری آنکھوں کا قصور ہے یا اس شہر کی آرائش وزیبائش کا بہر حال میرا دل مضطرب اس گلزار ہست و بود کے نظارۂ جمال کی بجائے اسی جنت نگاہ وادی اور اس کے فردوس گوش ترانوں میں الجھا ہوا ہے جسے میرا بخت سیاہ آج سے کئی روز پہلے خیر باد کہہ چکا ہے۔

پرسوں سے مجھے جن پریشانیوں کا خدشہ لاحق تھا آج اس کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ابھی ابھی افضل خاں ترکی نے آکر وہ خبر سنائی ہے جس کے سننے کے لئے میری قوتِ سامعہ پہلے سے تیار ہو چکی تھی اور میں وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کے تحت اپنی لغزشوں کا احساس کرتے ہوئے اس جنت ارضی سے نکلنے کے لئے رخت سفر باندھ چکا تھا۔ عزیزم ترکی نے اس روح فرسا سانحہ کی شدت کو کم کرنے کے لئے اگرچہ بہت کچھ تلمیح سے کام لیا ہے مگر میرے احساسِ معصیت نے اس حقیقت کو فوراً بھانپ لیا کہ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کے مواعید کے پورا ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ اب ایسی جگہ زندگی بسر کرنے کا سامان کروں جہاں میرے لاہور کے دوستوں کو وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ چنانچہ میں لاہور سے منڈی بہاؤالدین پہنچا اور وہاں سے اپنے چچا میاں محمد سعید صاحب کے ڈیرہ پر چلا آیا۔ یہاں کا ماحول چونکہ میرا ہم عقیدہ نہیں ہے اس لئے ان لوگوں

نے کسی دوسرے امر کی جستجو کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہ معاملہ بخیر وخوبی انجام پذیر ہو گیا۔

یہاں کے ماحول میں بڑے شہروں کی سی رونق تو نہیں البتہ ایک پیر خانہ کی حیثیت سے مریدوں کی آمدورفت کا ہنگامہ ضرور گرم رہتا ہے۔ ان ارادت کیشوں میں سے کئی صاحب تو واقعی شغف عبادت اور ذکر ہو حق کی وجہ سے حضرت باوا فرید الدین گنج شکر کے اس شعر کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

فریدا ایسے ہو رہئے جیسے ککھ مسیت

اُٹھے پہر لتاڑنیں اللہ نال پریت

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے مخصوص خصائل کی وجہ سے گلدستۂ عجائبات معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک میاں سخی محمد صاحب کھوکھر ہیں جو چلہ کشیوں اور کثرتِ اوراد کی وجہ سے مراق کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ نماز پڑھتے ہوئے آپ کے لحنِ غنودہ اور تکرارِ نیت سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی موجودہ حالت ایسے اذکار کا نتیجہ ہے جن کی یومیہ مقدار تخمیناً پچاس پاروں کے برابر تھی۔ آجکل آپ کی زبان اور تسبیح کی گردش سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو بجلی کی طاقت سے بغیر توقف کے چل رہی ہے۔ آپ صحت وعافیت کی مجبوریوں کے باوجود بہت اچھے آدمی ہیں مگر۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کے مصداق۔ دوسرے نمبر پر میاں عبدالحفیظ صاحب ہیں جو حافظ شفیق احمد صاحب سجادہ نشین لاہور کے مرید ہیں اور طور وطریق کے اعتبار سے حافظ صاحب موصوف کا نقشِ ثانی۔ ان کے نزدیک فنافی الشیخ کی منزل طے کرنے کے لئے محض تصورِ شیخ کافی نہیں بلکہ حرکاتِ شیخ کا اعادہ بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ ان کا انگلیوں سے داڑھی میں بار بار خلال کرنا اور مختلف قسم کی انگوٹھیاں پہننا اور جمعرات کے جمعرات قوالی کرانا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ وہ انہیں باتوں کو راہِ طریقت سمجھ بیٹھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ فیروزہ کا نگینہ انسانی مقدرات میں خاص دخل رکھتا ہے چنانچہ جب شاہ حسن صاحب نے ایک دن مذاقاً اس نگینہ کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس کے جواب میں ایک گھنٹہ تک ایسی تقریر فرمائی کہ قسمت وقسام کے جملہ حقوق اسی کے نام محفوظ کر دیئے۔ سچ ہے مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔

ان اَعزہ کے علاوہ ایک صاحب محمد صالح ہیں جنہیں عرف عام میں ہادی کہا جاتا ہے۔ یہ بزرگ کئی قسم کے پاپڑ بیلنے کے بعد اب ڈیرہ میاں صاحب میں امامت واذکار کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ صبح کی نماز کے بعد آپ پشت بہ قبلہ ہو کر اپنے لحن خاص سے نفی اثبات کا ذکر جہراً کرتے ہیں اور آپ کے بعد اسی لحن سے مقتدی بھی اس کا اعادہ

کرتے ہیں۔اس شغلِ حسین کے بعد آپ کبھی کبھی ''سیف الملوک'' کا درس بھی دیتے ہیں اوراس قندونبات شاعری سے سامعین کومحظوظ فرماتے ہیں۔آج کل ہمزادکوقابو میں لانے کے لئے ایک قدِ آدم آئینہ کے سامنے بعض خاص قسم کے اذکار کررہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کونا کام کرے۔محمد صالح صاحب کے گھر کے سامنے ایک مولوی صاحب کا گھر ہے۔ یہ صاحب زمانے کی موجودہ مشین کے صحیح کل پرزے ہیں اور حکمت اور کیمیا میں دخل رکھنے کے علاوہ پاکستان اورانڈیا کے جملہ واقعات کے عینی شاہد ہیں۔بات میں سے بات نکالنا اوراس میں داستان امیر حمزہ کا رنگ بھرنا آپ کا خاص کمال ہے۔اس کے علاوہ آپ کی ذاتِ والا صفات کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ ذکر کرتے کرتے ایسے حسین انداز میں خواب خرگوش کا پارٹ ادا کرتے ہیں کہ دیکھنے والا بیداری اور خواب میں ذرا بھی امتیاز نہیں کرسکا۔ان کے علاوہ ڈیرہ میاں صاحب میں عموصاحب کا ایک پروردہ خادم میاں اللہ دتہ بھی رہتا ہے جو بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے علاوہ ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا پارٹ اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ دیکھنے والا اس کے کمال کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔یہ اگر چہ بوڑھا ہو چکا ہے مگر۔

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد

کے مطابق اپنے بڑھاپے کو بہلانے کے لئے کسی لعبتِ چین کا خواہشمند ہے۔ چند

روز کی بات ہے کہ موسمی بخار نے ڈیرے کے دوسرے سکان کے ساتھ اسے بھی آ دبایا۔ اس وقت اس کی زبانِ فحش ترجمان سے ایسے ایسے دوہے اور ڈھولے سننے میں آئے کہ بس روح کملا ہی گئی۔ کہتے ہیں کہ جب بھی ملیریا بخار اس کی زندگی کے ریکارڈ پر اپنی سوئی رکھتا ہے تو اسے قرآن کریم کی اکثر ایسی آیات یاد آ جاتی ہیں جو زیادہ تر اُخروی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔

ڈیرہ میاں صاحب میں پیرزادہ شاہ حسن صاحب نقوی سے بھی تعارف ہوا۔ آپ خلیفہ حامد حسن صاحب مرحوم سابق وزیر اعظم پٹیالہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور بخاری سادات میں سے صحیح النسب بزرگ ہیں۔ آپ نے اختلافِ عقائد کے باوجود مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اور پھر وطن پہنچ کر دوبارہ ارشاد فرمایا کہ میں جلد آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ چنانچہ آج تین ماہ کی اقامت کے بعد میرے کاروانِ زندگی نے ڈیرہ میاں صاحب سے کوچ کرنے کا عزم کیا اور شوقِ رحیل نے سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ کی نوبت بجائی ہے۔ عمو صاحب کی خواہش ہے کہ میں اپنے عزائم کو لاہور تک محدود رکھوں اور چند روز کے قیام کے بعد پھر اسی محور و مدار کے طواف کے لئے حاضر ہو جاؤں۔ دیکھیں مشیت و مقدر کا ہاتھ عنانِ زندگی کو کس طرف پھراتا ہے۔

دھرا ہے ناقۂ لیلیٰ پہ محمل رنگیں
کدھر مہار اٹھاتا ہے ساربان دیکھیں

بہرحال میں مردہ بدستِ زندہ ہوں اور مَاتَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کے فرمانِ ایزدی سے مجبور ڈیرہ میاں صاحب سے منڈی بہاؤالدین پہنچ چکا ہوں اور اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں کھڑا ہوں۔ صاحب محطہ نے اطلاع دی ہے کہ موجودہ سیل وتلاطم کی وجہ سے لاہور پہنچنے کی کوئی صورت نہیں مگر میرے نزدیک گھر سے نکلنے کے بعد شکستِ عزائم کا ارتکاب غیر مناسب ہے لہٰذا لالہ موسیٰ روانہ ہو رہا ہوں اور اس علاقہ پر الوداعی نظر ڈال رہا ہوں جسے حضرت علامہ نور الدینؓ اور سر سید احمد خان نے خطۂ یونان اور اقلیم ایران سے تشبیہ دی تھی۔ یعنی وہ گجرات اور اس کے مضافات جہاں ہماری وڑائچ قوم نے دس پشت سے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اس وقت گاڑی میں بیٹھا اس کی روا روی کا ترنم سن رہا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد ڈنگہ آ گیا ہے اور اس شہر کی میٹھی سونف کے گشتی تاجر ہمارے ڈبے کے سامنے کھڑے ہو کر اس متاعِ باضوم کو بیچنے کے لئے اونچے نیچے سروں میں اس کی ثنا خوانی کر رہے ہیں۔ پرانے لوگوں کا اس شہر کی وجہ تسمیہ کے متعلق خیال ہے کہ یہ نام ڈنگہ بمعنی ٹیڑھا نہیں بلکہ "دین گاہ" کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے۔ کیونکہ آج سے بہت عرصہ پہلے یہ شہر علومِ دینیہ کی

مشہور درس گاہ رہ چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اب گاڑی وِسل دے کر سوئے لالہ موسیٰ رواں دواں ہے اور جوڑا کرنانہ کا اسٹیشن جو گجر قوم کی طرف منسوب ہے اس کا دستِ طلیعہ دکھائی دے رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ گُجر گاوَچر کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہ قوم وسطِ ایشیا سے اس ملک میں آئی تھی۔ اور اس کے مختلف قبائل جو تھال، ڈوگے اور کھادی کہلاتے ہیں اس نواح میں اترے تھے۔ آرین نسل چونکہ بہت زور آور تھی اس لئے یہ قوم اس کے مقابلہ سے عاجز آکر پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہوگئی اور پھر امنِ عامہ ہونے پر میدانی علاقوں میں اتر آئی۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔

اس وقت گاڑی لالہ موسیٰ پہنچ چکی ہے اور میں پلیٹ فارم سے اتر کر ٹکٹ گھر کے سامنے کھڑا ہوں اور بابو صاحب کی اس اطلاع پر کہ سیلاب کی وجہ سے گاڑی لاہور نہیں جائے گی، اپنے عزائم کی گتھیاں سلجھا رہا ہوں۔ اور پھر اس خیال سے کہ سندھ ایکسپریس کندیاں اور مظفر گڑھ سے ہو کر ملتان اور کراچی جانے والی ہے لودھراں کا ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو چکا ہوں اور اس کی تیز روی کے ساتھ ساتھ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا کا نظارہ دیکھ رہا ہوں اور کسی شاعر کی یہ رباعی گنگنا رہا ہوں۔

پیچھے ہے میرے قافلۂ حسرتِ یک عمر
آگے میرے وہ شب ہے سحر جس کی نہیں ہے
بے سود ہے اندازۂ مستقبلِ ہستی
ہونا ہے وہی ہم کو خبر جس کی نہیں ہے

معلوم نہیں یہ رباعی میرے تحت الشعور سے اٹھ کر پردہ شعور پر کیسے آ گئی ہے اور میں آپ کی یاد کو ستم ہائے روزگار سے کیوں نسبت دے رہا ہوں۔

بہر حال اس وقت میل گاڑی کی برق رفتاری اور چھوٹے سٹیشنوں کے منتظر مسافروں کی مایوسی دل پر عجیب چرکے لگا رہی ہے۔ سوچتا ہوں کہ آج میں بھی ان مسافروں کی طرح ایک روحانی میل گاڑی سے بچھڑ کر اپنی منزلِ مقصود سے محروم ہو چکا ہوں اور نہ معلوم ابھی کتنا عرصہ اسی حسرت کا شکار رہوں گا۔

یارانِ تیز گام نے محمل کو جالیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے

اس وقت اگرچہ میری آنکھوں کے سوکھے ہوئے چشمے آنسو بہانے سے قاصر ہیں مگر درد کی وہ کسک جو گاڑی کے چنگ ورباب کے ساتھ میرے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے حیطۂ الفاظ سے باہر ہے۔ کاش میرا خدا میری دبی ہوئی فریادوں کو نالہائے رسا کی شکل میں بدل دے اور میں پھر اسی کھوئی جنت میں آباد ہو سکوں۔

اس وقت سرگودہا کا شہر قریب آگیا ہے اور اسٹیشن کے برقی قمقمے اس وقفہ قیام کا پتہ دے رہے ہیں جو لمبے سفر کے بعد مسافروں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ شہر ''گودہا'' نامی ایک بھنگی کے سر، یعنی تالاب کے نام پر سرگودہا مشہور ہوگیا ہے۔ بہرکیف تقدیر کے اس بھید کو کون سمجھ سکتا ہے کہ نوعِ انسانی کے مٹتے ہوئے ناموں میں سے ایک بھنگی کا نام یوں بامِ شہرت پر پہنچے گا اور اس کے نام پر ایک شہر آباد ہو جائے گا۔

یہاں سے اٹھائیس میل کے فاصلہ پر مجھے پھر وہی بستی نظر آرہی ہے جہاں سے قسامِ ازل نے میری قسمت میں ہجرت لکھی تھی۔ میں گوناگوں پریشانیوں کے باوجود اس بستی سے وہی محبت رکھتا ہوں جو موجودہ حالات سے قبل میرے دل و دماغ میں جاگزیں تھی اور اب بھی وہ گلیاں اور شاہراہیں اسی طرح آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں جس طرح آج سے ایک سال قبل۔ میں اس بستی میں کب واپس جاؤں گا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے اس کی محبت کو ہمیشہ حرزِ جاں بنائے رکھوں گا۔

اَلَا لَیۡتَ شِعۡرِیۡ هَلۡ اَبِیۡتَنَّ لَیۡلَةً

بِوَادٍ وَّحَوۡلِیۡ اَذۡخَرٌ وَّجَلِیۡلُ

اس جدائی کا اگر مجھے پہلے علم ہو جاتا تو میں اس وادی میں ایک رات اور بسر کر لیتا

جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل کے پودے تھے۔ یہ شعر ہجرت کے بعد حضرت بلالؓ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

اب گاڑی سرگودھا سے الوداعی وِسل دے کر اسی برق رفتاری سے خوشاب کی طرف جارہی ہے۔ راستے میں دھریمہ کا اسٹیشن آ گیا ہے مگر گاڑی کی بے اعتنائی کا شکار ہو کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

یہ اسٹیشن ویسے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا مگر اس لحاظ سے کہ یہ جگہ میرے والد بزرگوار کے خالہ زاد بھائی میاں احمد علی صاحب ننگیانہ کی جائے رہائش ہے میرے لئے ضرور باعثِ کشش ہے۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانہ میں کسی علاقہ کے مسلمانوں میں سے ایک بزرگ میاں حبیب سلطان جب کرانہ پہاڑی پر استغراقِ عبادت کی وجہ سے ظاہری پوشش سے عاری ہو گئے تو لوگوں نے ان کا نام 'ننگیانہ' رکھ دیا۔ اب ان کے خاص ارادت مندوں کی اولاد جو رؤسائے علاقہ میں شمار ہوتی ہے اسی لقب سے مشہور ہے۔ اور سرگودہا کے نواح میں کئی مواضعات پر حقوق مالکانہ رکھتی ہے۔

بہرکیف جس وقت دھریمہ کا اسٹیشن گزرا تو عہدِ گذشتہ کے وہ تمام واقعات میری آنکھوں کے سامنے آ گئے جب میرے والد بزرگوار کے خالو میاں اورنگ زیب ننگیانہ بقیدِ

حیات تھے اور میرے دادا مرحوم کے ساتھ آپ کے تعلقاتِ محبت قائم تھے۔

وے صورتیں نہ جانے کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

گاڑی اسی تگاپو میں مصروف ہے اور دریائے جہلم سے گزر کر خوشاب کے اسٹیشن پر ستانے کی تیاری کر رہی ہے۔ لیجئے اب خوشاب آ گیا ہے اور ہم پنواڑی سے پان لے کر نیند کی یورشوں کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر وہ لطفِ خاص جو ایک دو مرتبہ اس سے قبل حاصل ہوا تھا میسر نہیں آ سکا۔ معلوم نہیں اس کی اصل وجہ پان کی خرابی ہے یا محفلِ گزشتہ کا فقدان۔ بہرحال پان زہر مار کرتے ہوئے شیر شاہ سوری کا زمانہ یاد آ رہا ہے جب وہ اس علاقہ میں فروکش ہوا اور یہاں کے میٹھے پانی کی وجہ سے اس شہر کو خوشاب کے نام سے موسوم کر گیا۔

اب تقریباً آدھی رات ہو چکی ہے اور گاڑی اسی طرح اپنے وظیفۂ رحیل میں پہیوں کی تسبیح چلا رہی ہے۔ سامنے حدِّ نظر تک بجلی کے کھمبے اور ان پر دودھیا رنگ کے قمقمے نظر آ رہے ہیں اور ان کے پہلو میں جوہر آباد اور قائد آباد وغیرہ شہر حکومتِ پاکستان کی کوششوں سے آباد ہو رہے ہیں۔ مجھے یہ آبادی دیکھ کر بہت تعجب ہوا کیونکہ چند سال قبل جب میں اس راستے سے پشاور گیا تھا تو اس لق و دق صحراء میں کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔

کہتے ہیں کہ خانخاناں ایک دفعہ آگرہ سے برہان پور کو روانہ ہوئے۔ پہلی ہی منزل پر شامیانے کے نیچے اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک فقیر سامنے سے گزرا اور اس نے پکار کر کہا۔

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

انہوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ 'لاکھ روپے دے دو' فقیر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔ دوسری منزل پر فقیر پھر سامنے سے نکلا اور وہی شعر پڑھا۔ انہوں نے پھر کہہ دیا کہ 'لاکھ روپیہ دے دو' غرض وہ سات دن برابر اسی طرح آتا رہا اور روپیہ لیتا رہا۔ پھر خود ہی سوچا کہ یہ انعام آج تک کسی سے نہیں پایا۔ امیر ہے، ممکن ہے کسی دن طبیعت حاضر نہ ہو خفا ہو کر سب چھین لے اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ آٹھویں دن خانخاناں پھر دربار لگا کر بیٹھے۔ معمول سے زیادہ دیر ہوگئی تو کہنے لگے 'آج وہ ہمارا فقیر نہ آیا' برہان پور آگرہ سے ستائیسؔ منزل ہے۔ ہم نے تو پہلے دن ہی ستائیس لاکھ روپیہ خزانہ سے منہا کر دیا تھا۔ کم حوصلہ ہوگا معلوم نہیں دل میں کیا سمجھا۔

غرضیکہ میں انہیں خیالات میں کھویا ہوا کندیاں اور وہاں سے مظفر گڑھ پہنچا اور اس

شہر کی عمارتوں اور نخلستانوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اس کے اس عہدِ زریں میں کھو گیا۔ جبکہ میرے نانا اس شہر کے محکمہ بندوبست میں ملازم تھے اور آپ نے میرے مرشد و مولیٰ کی کتاب براہین احمدیہ کی خریداری کے لئے اپنا نام پیش کیا تھا۔ مجھے اس وقت ان مردانِ خدا کا بھی خیال آیا جو مختلف علاقوں میں اپنی عمرِ عزیز گزارنے کے بعد اب زیرِ زمین آرام کر رہے ہیں۔ یہ شہر اگرچہ انسانوں کی نسبت زیادہ پائیدار ہیں مگر مختلف ممالک کے ویران کھنڈرات جو کہیں بابل و نینوا اور کہیں ہڑپہ و ٹیکسلا کے نام سے موسوم ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ باقی من کل فانی کوئی لفاظی نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت کا اظہار ہے۔

میں انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں حیات و زیست کی گتھیاں سلجھا رہا تھا کہ اچانک گاڑی کی تیز روی نے خرامِ ناز کی صورت اختیار کر لی۔ کھڑکی سے جھانکنے پر معلوم ہوا کہ سامنے تریمو گھاٹ ہے۔ یعنی چناب و جہلم کا سنگھم۔ اور طوفانِ آب کی وجہ سے ریل کا پل گاڑی کی تیز روی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ خیر گاڑی آہستہ آہستہ پل پر سے گزری اور میں نے اس سیل و تلاطم کا اندازہ لگایا جس نے لاہور کی بجائے مجھے براستہ کندیاں آنے پر مجبور کیا تھا۔ اس طوفانِ آب کو دیکھ کر مجھے وہ ہیبت ناک پیشگوئی یاد آ گئی، میرے مقدس پیشوا نے اہلِ ملک کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی:-

''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔
نوح کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا............'' الخ

الغرض میں ملتان سے ہوتا ہوا لودھراں پہنچا۔ چونکہ پیرزادہ صاحب کی رہائش گاہ یہاں سے قریب، بلکہ گجرات کی نسبت قریب تر تھی اس لئے مجھے اس وقت عرب کے ایک بادیہ نشین کا شعر یاد آگیا۔

لِکُلٍ تَدَاوِیْنَا وَذَالِکَ لَمْ یَکُنْ
اَلَا اِنَّ قُرْبَ الدَّارِ خَیْرٌ مِنَ الْبُعْدِ

ترجمہ: ہم نے دورونزدیک رہ کر مرض محبت کا علاج کیا ہے۔ سچی بات یہی ہے کہ محبوب کا قرب اس کے بُعد سے زیادہ اچھا ہے۔

پیرزادہ صاحب کی جائے سکونت موضع گوگڑاں جانے کے لئے میں اڈے پر کھڑا اس وقت لاری کا انتظار کررہا ہوں اور طوفانِ گردوغبار سے اپنی نظروں کا دامن بچارہا ہوں۔ اس گردوغبار کی فراوانی اور اپنی دامن کشی کو دیکھ کر مجھے اس عالمگیر کی صاحبزادی زیب النساء مخفی کا شعر یاد آرہا ہے۔

آہستہ بگذری چو رسی بر مزارِ من
شاید بدامنت بنشیند غبارِ من

میں اسی طرح عالم تصور میں اپنے عہدِ ماضی کا تماشا کررہا تھا کہ معلوم ہوا اب موضع مذکور میں کوئی لاری نہیں جائے گی۔ اس لئے ناچار مجھ پاپیادہ چلنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور میں

گوگڑاں کا راستہ پوچھ کر اس دریائے گردوغبار میں کود پڑا۔ اس علاقہ کا ماحول اور لوگوں کی طرزِ رہائش کوئی ایسی دلکش نہیں ہے البتہ جابجا اونٹوں کی قطاریں اور بان اور پیلو کے پیڑ دیکھنے سے خطۂ عرب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ میں ان اونٹوں کی بلبلاہٹ اور ان کے زنگولوں کی جھنکار میں اس ریگ زار کو طے کر رہا ہوں اور ان پیڑوں کو دیکھ کر ایک آشفتہ مزاج اعرابی کے اس غزلیہ کو گنگنا رہا ہوں۔

رَعَاکَ اللّٰہُ یَا سَلْمٰی رَعَاکَ
وَدَارَکِ بِالّلِوٰیٰ ذَاتَ الْاَرَاکِ
قَتَلْتُ بِفَاحِمٍ وَبِذِی غُرُوبٍ
اَخَا قَوْمٍ وَّمَا قَتَلُوْا اَخَاکِ

اس وقت خطۂ گردوغبار انسانی تگ ودو سے آرام پانے کے لئے تاریکیٔ شب کی چادر اوڑھ کر ستانے کی تیاری کر رہا ہے۔ سامنے سے آنے والے آدمی سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان گھنے درختوں کی اوٹ میں اونچی اونچی عمارتیں اسی قصبہ کی ہیں جو میری منزل مقصود ہے۔ چنانچہ میں اس خیال سے کہ اب کاروانِ جستجو چشمۂ مراد پر پہنچ کر اپنی تشنگی بجھانے کو ہے مطمئن ہو چکا ہوں اور گوگڑاں میں داخل ہو کر یہاں کے رئیس مرزا نیک محمد چغتائی کے پاس بیٹھا ہوں۔ مرزا صاحب موصوف جو اس وقت موضع مذکور میں تخمیناً پانچ ہزار ایکڑ اراضی کے مالک ہیں نہایت متواضع اور خلیق انسان ہیں۔ چونکہ آپ عمو صاحب سے رشتۂ عقیدت

رکھتے ہیں اس لئے یہ بات معلوم ہونے پر کہ میں ڈیرہ میاں صاحب سے آیا ہوں بہت خوش ہیں۔ آپ دراصل شہر حصار کے باشندے ہیں اور آپ کا خاندان شاہانِ تغلق کے زمانہ سے مسند اقتدار پر فائز چلا آتا ہے۔ مجھے یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تقسیم ہند کی گزشتہ آشوب کاری نے آپ کے خاندان کے اکثر افراد کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس خاندان کا ایک نادر کتب خانہ بھی تلف کر دیا ہے۔ مرزا صاحب موصوف کا کہنا ہے کہ اس کتب خانہ میں تقریباً بارہ ہزار ایسی کتابیں تھیں جن کا کسی دوسری جگہ ملنا محال ہے۔

آپ سے دورانِ گفتگو میں اور بھی کئی حقائق کا علم ہوا مگر پیرزادہ صاحب کی عدم موجودگی نے میرے قصرِ مساعی کو متزلزل کر دیا اور میں پھر اسی باطنی کشمکش میں الجھ گیا جو اس قصبہ کے ورود سے پہلے لاحق تھی۔ مرزا صاحب بضد ہیں کہ میں عرصۂ دراز تک ان کی محفلِ طرب ونشاط میں شریک رہوں مگر میں پیرزادہ صاحب کی جستجو کے لئے بے قرار ہوں۔ آخر بڑے ردوکد کے بعد دو دن کے وقفہ قیام پر اتفاق ہوا اور اس کے بعد میں چک اوڈانوالہ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

مرزا صاحب موصوف نے لاری میں سوار کرانے کے لئے اپنے ایک ملازم کو میرے ساتھ کر دیا مگر اڈے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ لاری ایک بجے سے قبل نہیں مل سکتی۔ ناچار میں اپنے عزائم جفاکشی کو واپڑ لگاتے ہوئے پا پیادہ روانہ ہو گیا۔ طوفانِ آب کی وجہ سے چونکہ گاڑیوں کی

آمد ورفت بے قاعدہ ہوگئی تھی اس لئے میرا کشتیٔ حیات کو اس ریگِ رواں کے سمندر میں ڈال کر ساحلِ لودھراں پر لگانا بہت مفید ثابت ہوا۔

اس وقت جبکہ دن کے تقریباً بارہ بج چکے ہیں گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہے اور میں ٹکٹ لے کر اس میں سوار ہو چکا ہوں۔ یہ گاڑی چونکہ جہانیاں کی راہ سے خانیوال جارہی ہے اس لئے ضلع ملتان کے ایک دوسرے علاقہ کے دیکھنے کا موقع میسر آگیا ہے۔ خانیوال پہنچنے پر معلوم ہوا کہ چیچہ وطنی جانے والی گاڑی رات نے نو بجے روانہ ہوگی۔ چنانچہ اس عرصۂ قیام میں فریضۂ نماز کی ادائیگی اور اکلِ طعام سے فراغت حاصل کی اور وقتِ مقررہ پر گاڑی میں سوار ہوگیا۔

خدا خدا کر کے چیچہ وطنی کا اسٹیشن آیا اور میں گاڑی پر الوداعی نظر ڈال کر اس کے مسافر خانہ میں فروکش ہوگیا۔ اس جگہ لوگوں کا کافی اژدھام ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تمام کا تمام ہجوم ایسے خستہ حال مسافروں پر مشتمل ہے جو طوفانِ آب کی وجہ سے بے گھر ہو چکے ہیں۔ اعمالِ انسانی کی پاداش کا یہ منظر بے حد دردناک ہے اور سیلاب کی تباہ کاریوں کی تفصیل سن کر طوفان نوح کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

میں رات بھر انہیں حالات پر غور کرتا رہا اور صبح ہوتے ہی پیرزادہ صاحب کے چک کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پیرزادہ صاحب کل سے منڈی بوریوالہ جا چکے

ہیں۔ بہر حال تعارف کرانے پر ان کے خسر سید بہادر علی شاہ صاحب نے مجھے پہچان لیا اور حسب دستور بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا۔ آپ سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ پیرزادہ صاحب کل تک ضرور آ جائیں گے۔ چنانچہ میں ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور آپ میرے آذوقہ و طعام کی تیاری کے لئے اندورنِ خانہ تشریف لے گئے۔ الحمدللہ کہ میں ابھی کھانے سے فارغ ہی ہوا تھا کہ پیرزادہ صاحب آ گئے۔

اب میری قوت متخیلہ ''اندیشہ ہائے دور و دراز'' کی بجائے اس گاؤں کے محلِ وقوع اور دریائے راوی کے اس عذاب سیال پر غور کر رہی ہے۔ اور میں اس بات پر حیران ہو رہا ہوں کہ وہ اَرحم الراحمین خدا آج اتنا سخت گیر کیوں ہو گیا ہے کہ نوعِ انسان کو اس کی بداعمالیوں کی سزا ایسے عذابوں سے دے رہا ہے جن کا وجود معمورۂ دنیا پر اس سے قبل اس رنگ میں محیط نہیں تھا۔ اور پھر اس واہمہ کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ جب ہر فردِ بشر اپنی املاک کے تحفظ کا حق رکھتا ہے تو اللہ میاں اس بات کا کیوں حق نہیں رکھتا کہ اس کی مخلوق جو اسی کی ملکیت ہے جب اس کا آستانہ چھوڑ کر خواہشاتِ نفسانی کی غلام بن جائے تو اس کی گوشمالی نہ فرمائے اور ایسے ذرائع استعمال نہ کرے جن کے توسط سے پھر قلوبِ انسانی پر اس کی حکومت قائم ہو جائے۔

لَا یَسْلِمُ الشَّرَفُ الرَّفِیْعُ مِنَ الْاَذٰی حَتّٰی
یُـرَاقَ عَـلٰـی جَـوَانِبِـہِ الـدَّمُ

دنیا میں کوئی بزرگی بھی دکھ سے محفوظ نہیں رہ سکتی جب تک اس کے اردگرد خون کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے۔

میں انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا قرآن مجید کے ان مضامین کی گہرائیوں میں اتر گیا جو اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور وَمَا ظَلَمْنَا ھُمْ کے الفاظ میں پوشیدہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ خیر الراحمین ذات کسی پر ظلم نہیں کرتی بلکہ یہ مصائب و شدائد ہماری اپنی ہی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔

رام جھروکے بیٹھ کے سب کا مجرا لے
جیسی جا کی چاکری ویسا وا کو دے

کیا وہ خدا جو نوح علیہ السلام کو طوفانِ آب سے اور ابراہیم علیہ السلام کو آتشِ نمرود سے اور موسیٰ علیہ السلام کو سمندر کے تلاطم سے اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اعمالِ حسنہ کی وجہ سے مکہ کے خونخوار دشمنوں سے نجات دے سکتا ہے اب زندہ نہیں؟ یقیناً وہ اب بھی زندہ ہے اور اسی طرح معجزات دکھانے پر قادر ہے مگر ہمارے اعمال میں وہ صلاحیت باقی نہیں رہی۔

کاش یہ در بدر ٹھوکریں کھانے والی مخلوق اس کے آستانے پر جھک کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے ورنہ وہ عذاب جو معمورۂ دنیا کو اس سے قبل کئی دفعہ مٹا کر صحراؤں میں تبدیل کر چکا ہے اس کی آمد آمد کوئی دور نہیں۔

آج پیرزادہ صاحب مجھے چیچہ وطنی سے ہڑپہ کے آثارِ قدیمہ دکھانے کے لئے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ یہ کھنڈر جو آج سے تقریباً پانچ ہزار سال قبل کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں میرے دوش و امروز کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ میں اس شہر کے اجڑے ہوئے اناج گھر، شکستہ عبادت خانے اور بے آب کنویں دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے اس بستی کا خیال آ رہا ہے جسے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے گوشت پوست کے مواد سے اَحْسَنِ تَقْوِيْم میں تیار کیا اور پھر حیات و بقا کے دریچوں کو کھول کر اس کی روح کے ایوان میں جلوہ افروز ہوا اور اس بستی کا نام حضرتِ انسان تجویز فرمایا۔ ناگاہ اس بستی کی خلوت گاہوں سے خواہشاتِ نفسانی کے اندرونی دشمن نے بغاوت کی اور شیطان کے بیرونی غنیم کو اس بستی پر شبخون مارنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور اس کے گراں بہا دفینوں کو لوٹ کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا گیا۔ اب وہی بستی جو کل بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا کا بڑا بول بول رہی تھی آج خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کا درسِ عبرت پیش کر رہی ہے۔ اور میں ان کھنڈرات پر کھڑا کھڑا سوچ رہا ہوں کہ ان دونوں بستیوں میں سے کون سی بستی زیادہ قابل رحم اور لائق

عبرت ہے۔ آیا وہ جسے نوعِ انسان نے آباد کیا تھا یا وہ جسے احسن الخالقین نے اپنے دستِ راست سے تعمیر فرمایا تھا؟

آج ہم منٹگمری سے ہوتے ہوئے اوکاڑہ پہنچ کر ملک عطاء الرحمٰن خاں علوی کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ عزیز میرا عہد گزشتہ کا پرخلوص دوست ہے۔ اور دوست کی خدمت کرنا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ اسے دیکھتے ہی مجھے ذوق مرحوم کا یہ شعر یاد آ گیا۔

اے ذوقؔ کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

رات اوکاڑہ میں گزارنے کے بعد آج ہم دیپالپور سے ہوتے ہوئے موضع سجان شاہ پہنچ چکے ہیں۔ راستے میں پانی کا وہ خطہ جو اوکاڑہ اور دیپالپور کے مسافروں کے لئے سدِ راہ بنا ہوا ہے نظر آ رہا ہے۔ یہ پانی تقریباً ایک میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے اور تین فٹ سے گیارہ فٹ کی بلندی تک بہتا ہوا اس علاقہ کی فصلوں اور مکانوں کو غرقاب کر چکا ہے۔ لاریاں پانی کے دونوں کناروں پر کھڑی ہو کر سواریوں کو اتار دیتی ہیں اور مسافر اپنی چادروں اور پائجاموں کو اٹنگ کر اس دریائے نوزائیدہ میں کود پڑتے ہیں۔ درمیان کے زیادہ گہرے حصے کو عبور کرنے کے لئے چونکہ کشتیوں کا انتظام موجود ہے اس لئے مسافر اس نیم شناوری کے بعد ان کشتیوں کے ذریعے ساحلِ عافیت پر پہنچ جاتے ہیں۔

موضع سجان شاہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد آج پھر ہمارے عزمِ رحیل نے خیمۂ قیام کی طنابیں اکھاڑی ہیں اور ہم رختِ سفر باندھ کر موضع پانا مہار کی طرف مہار اٹھا رہے ہیں۔ یہ موضع چونکہ ستلج اور بیاس کے سنگھم پر واقع ہے اس لئے ہمیں پھر دیپالپور سے گزرنا پڑا۔ دیپالپور جو اس وقت ضلع منٹگمری کی ایک تحصیل ہے بہت پرانا شہر ہے۔ جسے کسی زمانہ میں دیپال نامی ایک ہندو نے آباد کیا تھا اور اس کے بعد عبدالرحیم خانخاناں نے اس جگہ ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا۔

اس شہر سے گزر کر ہم بصیر پور پہنچے۔ یہ قصبہ اچھا بارونق ہے اور یہاں سکھوں کے عہدِ حکومت کا بنا ہوا ایک قلعہ بھی موجود ہے۔ آج کل سیلاب کی وجہ سے گاڑیوں کی آمد و رفت تو بند ہے مگر آس پاس کے قصبات سے تانگے آتے رہتے ہیں۔ یہ علاقہ بھی طوفانِ آب کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکا اور لوگ اپنے اپنے دیہات میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اس وقت دریائے ستلج کا طاس اور اس میں حدِ نظر تک پھیلی ہوئی چاندنی عجیب سماں دکھا رہی ہے میں اور پیرزادہ شاہ حسن اور نور محمد جویا دریا کے اس بند پر جا رہے ہیں جو ہیڈ سلیمانکی سے موضع دُلّا تک دس بارہ میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے۔ اس دریا کا دوسرا کنارہ چونکہ ہندوستان میں شامل ہے اس لئے رات کے سناٹے اور درختوں کے سائے میں مجھے وہ گزرا ہوا زمانہ یاد آ رہا ہے جبکہ ہم اس پار بود و باش رکھتے تھے۔ اور ہمارا دل و دماغ دنیاداری

کی موجودہ کاوشوں سے پاک تھا۔اس وقت کے وہ زریں لمحات جو میری موجودہ مصیبتوں اور دکھوں کا موجب ہوئے ہیں ایک ایک کر کے میرے سامنے آرہے ہیں اور میں اپنی عمرِ عزیز کے اس حصہ پر آنسو بہا رہا ہوں۔کاش زمانہ کی گردشیں میرے جامۂ اعمال سے ان دھبوں کو صاف کر دیں جن کے ہونے کی حسرت مجھے نہ ہونے پر مجبور کر رہی ہے۔

اے دریائے نیلی کے گھنے درختو!

کیا وہ زمانہ پھر بھی آسکتا ہے جو میں نے آج سے نودس سال پہلے اس خطۂ پاک میں گزارا تھا جو تمہارے میدانوں کا جنت نظیر خطہ ہے؟

اے گردشِ افلاک کے مالک! مجھ پر رحم کر۔اے تقدیروں کو بدلنے والے! میری حالتِ زار کو دیکھ۔مجھے تیری ذات کی قسم ہے کہ میں اپنی زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔تجھے تیری رحمت کا واسطہ ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دے اور اب مجھے اپنی رحمت کے سایہ[1] میں لے لے۔یہ دنیا دنیا والوں کو مبارک ہو۔میں تجھ سے صرف اپنے گناہوں کی بخشش اور قبر کی دوگز زمین مانگتا ہوں۔واحسرتا کہ

---

[1] (یہ عجیب بات ہے کہ اس دعا کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ بعمر ۷۴ سال ۲۶ رفروری ۱۹۵۹ء کو وفات پاگئے اور بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔)

لکڑی جل کوئلہ بنی کوئلہ بنا جل راکھ
میں پاپن کچھ ایسی جلی نہ کوئلہ بنی نہ راکھ

اس وقت رات کے نو بجے کا وقت ہو چکا ہے اور ہم موضع پانا مہار میں داخل ہو کر پیرزادہ صاحب کے خواہرزادہ سید مظفر علی صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ موضع اگرچہ دریا کے کنارے پر واقع ہے مگر کشتئ نوح کی طرح طوفانِ آب کی زد سے محفوظ ہے۔ معلوم نہیں اس کی اصل وجہ اس بند کی فصیل ہے یا اللہ تعالیٰ کی قدرت نمائی۔ بہرکیف ایسے خطرناک سیلاب میں اس گاؤں کا غرقابی سے بچ رہنا اس کے فضلوں سے خالی نہیں۔ یہ موضع پیرزادہ صاحب کے تایا سید حسن علی صاحب کی وجہ سے اس نواح میں کافی مشہور ہے۔ سید صاحب مرحوم بہت بڑے عالم تھے اور کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی۔ میں نے آپ کی ایک کتاب 'صادق الجواب' کے بعض حصوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کتاب سے آپ کی علمی قابلیت اور تنقیدی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

کاغذ لکھیا جگ رہے جے لکھ جانے کو
لکھن ہارا با پڑا گل گل مٹی ہو

اس وقت چاند کی دودھیا کرنیں اس بستی کے لوگوں کو تھپک تھپک کر سلا رہی ہیں اور ہماری مجلس میں بیٹھنے والے بھی اپنے اپنے گھروں کو جا چکے ہیں۔ سید مظفر علی صاحب چونکہ

شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے فریضۂ خفتن سے قبل بعض ایسے دعائیہ اشعار کا ورد کر رہے ہیں جو شیعوں کے نزدیک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ میں نے سوتے سوتے ان اشعار کو سنا اور ان کی دردناک مناجات سے کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِ فَرِحُونَ کا اندازہ لگایا۔ آپ نے نعرۂ حیدری لگانے کے بعد سب سے پہلے یہ شعر پڑھا۔

سامان شتاب کردے میرے دل کے چین کا
پروردگار واسطۂ خونِ حسین کا

اس کے بعد ایک لمبی مناجات پڑھی اور پھر یا شبیر! دو جہاں کے پیر، کا ایک ہلکا سا نعرہ لگایا اور سونے کے لئے اپنے بستر پر دراز ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد مرغِ سحر نے ہمیں بیدار کر دیا۔ اس وقت سید صاحب موصوف انہیں ببولوں کے نیچے جہاں رات بھر ہم نے کسی شاعر کے اس شعر کی داد دی تھی کہ۔

بیٹھ جاتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے
ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

چولہا دہکا کر اس پر چائے کی کیتلی رکھ رہے ہیں۔ شبِ ماہتاب میں ان کے اس اہتمامِ خاص نے اس وقت وہ سماں باندھا ہے کہ خاقانِ چین کے باورچی خانے بھی ماند پڑ گئے ہیں۔ میں لحاف اوڑھے ہوئے اس آتشِ سیال کا انتظار کر رہا ہوں جس میں اہل کابل

کے نزدیک لب بندی، لب سوزی، لب دوزی اور لبریزی کے خصائص کا ہونا ضروری ہے۔

الغرض اس چائے نوشی کے بعد میں اور پیرزادہ صاحب اس گاؤں پر الوداعی نظر ڈال کر موضع حویلی کی طرف چل پڑے۔ موضع حویلی پہنچ کر ہم نے موضع محبّ علی کی راہ لی۔ چونکہ سیلاب کی وجہ سے سڑک ٹوٹ چکی ہے اس لئے یہ سفر بھی ہمیں پا پیادہ کرنا پڑا۔ موضع مذکور کا منظر ایسا دلخراش ہے کہ دیکھا نہیں جاتا۔ جس طرف نگاہ اٹھائیں تباہی کے نشانات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں کے رئیس میاں گوہر علی صاحب وٹو اور ان کے برادرِ خورد میاں محبوب علی صاحب چونکہ نہایت غریب پرور انسان ہیں اس لئے انہوں نے مزارعین کو اس طوفانِ آب کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ ان خانماں برباد لوگوں میں سے اکثر افراد کا سامانِ خورونوش اور اخراجات علاج معالجہ یہ ہر دو رئیس اب بھی اپنی جیب سے ادا کر رہے ہیں۔

رات موضع مذکور میں گزارنے کے بعد علی الصبح ہم موضع رتیکے روانہ ہو گئے۔ یہ موضع چونکہ دریائے نیلی کے کنارے پر واقع ہے اس لئے طوفانِ آب کے وہ آثار جو ایسی جگہوں میں متوقع ہو سکتے ہیں راستے میں نظر آتے رہے۔

اب میں اور پیرزادہ صاحب موضع مذکور میں پہنچ چکے ہیں اور میاں محمد امیر صاحب وٹو کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میاں صاحب موصوف اور ان کے برادران جو اس علاقہ میں

تقریباً دو ہزار ایکڑ اراضی کے مالک ہیں۔ دراصل ریاست بیکانیر کے باشندے ہیں اور علمی و ادبی اوصاف کے علاوہ تواضع اور مہمان نوازی کی امتیازی خصوصیات سے بھی آراستہ ہیں۔ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ محمد امیر صاحب نمبردار میرے برادر عزیز میاں عزیز احمد صاحب راجیکی سے بھی تعارف رکھتے ہیں۔

نمبردار صاحب مذکور نے بتایا کہ اس طغیانی کے دوران میں جبکہ پانی چاروں طرف سے اس موضع کا محاصرہ کر چکا تھا یہاں کے اکثر لوگ دس روز تک بلا خواب و خورش اس کے دفاع کی کوشش کرتے رہے مگر پانی کے ریلے کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ چل سکی۔ جب اس گاؤں کی تھکی ہاری سپاہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئی تو آسمان سے اس کی رحمت کے فرشتے اترے اور انہوں نے اس بپھرے ہوئے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ اب وہی سیلاب جو دس بارہ فٹ کی بلندی تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ کا دعویٰ کر رہا تھا نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ مجھے اس طوفانِ آب کی غارت گری دیکھ کر اس وقت گورو بابا نانکؒ کے مندرجہ ذیل اشعار یاد آ گئے ؎

کوڑ رَاجہ کوڑ پَرجا کوڑ سب سنسار	کوڑ منڈپ کوڑ ماڑی کوڑ بیسن یار
کوڑ سونا کوڑ رُوپا کوڑ پہنن ہار	کوڑ کایا کوڑ کپڑ کوڑ روپ اُپار
کوڑ میاں کوڑ بی بی کھپ کے ہوئے خوار	کوڑ کوڑے نیہوں لگا وِسریا کرتار

کِس نال کیجے دوستی سب جگ چلن ہار

میں ان اشعار کو پڑھ رہا ہوں اور کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ کے آئینہ میں اس فانی دنیا کے فانی کارناموں کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ تازیانۂ عبرت اگرچہ پندنامہ عطار سے کچھ کم سبق آموز نہیں مگر کسی شخص کا اس سے نصیحت حاصل کرنا اس کے فضلوں پر منحصر ہے۔

آج موضع مذکور سے واپس آ کر میں اور پیرزادہ صاحب موضع کمہاری والا جا رہے ہیں۔ یہ موضع کمہار قوم کی ایک نیک دل عورت کی وجہ سے کمہاری والا کہلاتا ہے۔ چونکہ اس موضع کے ایک مہاجر لکھمیر خان چوہان سے پیرزادہ صاحب کے دیرینہ مراسم ہیں اس لئے پاکپتن جانے کی بجائے رات ہمیں یہیں قیام کرنا پڑا۔ بابا لکھمیر خاں اگرچہ اس وقت نہایت عسرت سے زندگی بسر کر رہے ہیں مگر مہمانوں کی تواضع کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ ہمارے آنے پر آپ نے سب سے اول چائے کا انتظام کیا۔ اور پھر پیرزادہ صاحب کے کہنے پر کہ یہ قندِ سیاہ کی چائے نہیں پیا کرتے میرے لئے الگ نمکین چائے تیار کی۔

چائے آنے پر اس کی مہک سے مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس وقت کمہاری والا ضلع منٹگمری میں نہیں ہوں بلکہ حکیم رحمت اللہ صاحب گورداسپوری کے پاس بیٹھا دردِ شکم کا جوشاندہ پی رہا ہوں۔ کیونکہ بابا لکھمیر خاں نے ایک ماشہ پتی کے ساتھ بادیاں اور شیر گاؤمیش اور آبِ زلال کی اس طرح آمیزش کی تھی کہ اس ترکیب خاص کو حکیم جالینوس بھی نہ سمجھ سکے۔ میں نے جب اس صدری نسخہ کی تفصیلات دریافت کیں تو آپ نے اس کے قیمتی اجزاء اور حتمی فوائد پر ایسی برجستہ تقریر فرمائی کہ سامعین عش عش کر اٹھے۔ مجھے اس پر خیال آیا کہ چائے کی عام

شہرت کے لئے یہ کیمیاوی مرکب بہت نقصان دہ ثابت ہوگا۔لیکن اسی اثناء میں برادرم مولوی چراغ دین، لالہ عبدالرحمٰن، لالہ عبداللہ جان، لالہ عطاء اللہ بھٹی اور چوہدری عبدالعزیز کی بزمِ چائے نوشی یاد آ گئی اور خیال آیا کہ ہم ایسے بلانوشوں کی موجودگی میں چائے کی مارکیٹ کو فیل کرنا بابا لکھمیر خاں کے بس کا روگ نہیں۔ اللہ اللہ وہ بھی کیا دن تھے جب ہماری محفل میں اس جامِ ارغواں کا دور چلتا تھا اور پھر اس کی تیزی اور خوشبو کے لئے زعفران کے حوالے دیئے جاتے تھے۔اس وقت کی چائے جو خونِ کبوتر اور شنگرفِ رومی کے ہمرنگ ہوا کرتی تھی آج کہاں !——آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں
نَے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آج میں اور پیرزادہ صاحب پاکپتن جا رہے ہیں۔ یہ جگہ حضرت باوا فریدالدین گنج شکر کی وجہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔اس شہر کا محل وقوع اس طائر لاہوت کی طرح زمین کی عام سطح سے اس قدر بلند ہے کہ میل ہا میل کی مسافت سے نظر آ رہا ہے۔اس خطۂ پاک کو دیکھتے

ہی میں نے اپنے خانۂ دل میں ایسی شعاعوں کو محسوس کیا جن کے فیضان سے روح کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ ہم اس بلدۂ مطہر کے ایک بازار سے ہوتے ہوئے میاں خوشی محمد وٹو کے پاس پہنچے۔ کھانا تناول کرنے کے بعد پیرزادہ صاحب نے اس آستانۂ پاک پر جانے کی فرمائش کی جس کی زیارت کے لئے میں عہدِ طفولیت سے بے چین تھا۔ چنانچہ میں اسی وقت اٹھا اور پیرزادہ صاحب کی معیت میں بابِ فردوس پر پہنچا۔ اس دروازے میں داخل ہوتے ہی مجھے اپنی بے بضاعتی کے ساتھ اس مردِ خدا کے فیض عام کا خیال آیا جس نے اپنی اکسیر گر نگاہ سے لاکھوں انسانوں کو کندن بنا دیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی میں دعا میں مشغول ہو گیا اور دیر تک وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کے ماتحت آپ کے توسط سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

الغرض آستانۂ پاک کی زیارت کے بعد ہم ڈاکٹر فلک شیر صاحب کے پاس پہنچے۔ آپ چونکہ خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہیں اس لئے رات گئے تک انہی کی مدح سرائی کرتے رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی بزرگ سے عقیدت رکھنا بہت اچھی بات ہے مگر مذہبی دنیا میں محض عقیدت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی باخدا کہلانے والے کے اعمال کیسے ہیں اور اس نے کہاں تک خدا تعالیٰ کی نصرت حاصل ہے۔

وَكُلٌّ يَدَّعِي وَصْلاً بِلَيْلٰى
وَلَيْلٰى لَا تُقِرُّ لَهُمْ بِذَاكَ

ہر ایک لیلیٰ کے وصل کا مدعی ہے مگر لیلیٰ ان میں سے کسی کے وصال کا اقرار نہیں کرتی۔

آج میں اور پیرزادہ شاہ حسن میاں خوشی محمد کی معیت میں چک نمبر ۳۹ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ مگر گاڑی میں بیٹھتے ہی اس خطۂ پاک کی محبت نے میرے دل میں پھر انگڑائی لی اور میرا دل مضطرب جو اس بلدۂ مطہر کی زیارت سے اپنے بہت سے ہموم و غموم فراموش کر چکا تھا پھر مچل گیا۔ اچھا اے پاکپتن! خدا حافظ۔ تیرے خطۂ پاک میں جہاں اپنے زمانہ کا سب سے مقدس انسان وارد ہوا تھا آج اس میں اپنے زمانہ کا سب سے گنہگار داخل ہو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ چکا ہے۔ کاش تیرا روضۂ اطہر اور اس میں آرام کرنے والی روحِ پاک خدا تعالیٰ کے حضور اس کی سفارش کرے اور وہ پھر حقِ عبودیت ادا کرنے کے قابل ہو جائے اور پھر اپنی فردوسِ گم گشتہ کو حاصل کر سکے۔ لیکن آہ! ؎

ندی کنارے میں کھڑی پانی جھلمل ہو
میں میلی پیا اجلے میرا کس بدھ ملنا ہو

